جلد ۱۰۵ مئی ۱۹۸۶ء عدد ۳

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مؤسس

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ تعالیٰ

ادارۂ ترجمان القرآن، اچھرہ، لاہور

استفسارات

از: **سید ابوالاعلیٰ مودودی**

ترتیب و تدوین: **اختر حجازی**

- مولانا مرحوم فہم دین کے فن کے شناور تھے ان کی مجلس سے کوئی تشنہ نہ اٹھتا تھا۔
- مولانا مرحوم سینکڑوں مجالس میں ہزاروں سوالات کے جواب دیتے اور کوئی محروم نہ رہتا تھا۔
- مولانا کے ہزاروں معتقدین تھے جو طلب دین کیلئے ان سے رجوع کرتے تھے اور کوئی مایوس نہ لوٹتا تھا۔
- یہ خصوصیت مولانا مودودیؒ کو خداداد صلاحیت کے طور پر حاصل تھی۔
- لوگوں نے ہزاروں سوالات کیے مولانا مودودیؒ نے ہزاروں جوابات دیے

مولانا اختر حجازی صاحب کی محنت اور مشقت سے کہ انہوں نے ان سوالات کو مع جوابات حاصل کرکے ایک ایسا مجموعہ مرتب کردیا جو تشنگان علم کیلئے سرچشمہ حیات کی حیثیت رکھتا ہے

- ایک کتاب سے عالم کتاب بن جانے کا نسخہ حاضر خدمت ہے۔

سائز: $\frac{۲۳ \times ۱۸}{۸}$ • صفحات: ۴۴۸ • قیمت - ۴۰ روپے

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ

اردو بازار ○ لاہور

فہرست مضامین

جلد ۱۰۵ | مئی ۱۹۸۶ء مطابق رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ | عدد ۳

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵ - اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

زر سالانہ تیس روپے - فی پرچہ ۳/- روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ایچ فاروق ایسوسی ایٹس لمیٹڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

آدمی اگر دینی تصورِ اجتماعیت اور اخلاقِ عالیہ یا کسی تعمیری شعورِ مدنیّت سے محروم ہو جائے تو وہ احسنِ تقویم کے مقام سے گر کر اسفل السافلین میں پہنچ جاتا ہے اور ایسا حیوان بن جاتا ہے جس کا جی چاہتا ہے کہ جو خواہش اس کے اندر پیدا ہو اُسے لازماً پورا ہونا چاہیئے جس منفعت یا آرام یا خوشی کو وہ حاصل کرنے کا خیال کرے وہ اُسے ضرور حاصل ہونی چاہیئے، وہ جس کسی کو چاہے تہس نہس کر دے، جس سے نفرت ہو اس کے لیے جینا حرام کر دے۔ جس سے اختلاف ہو جائے اس کے وجود کو سلامت نہ رہنے دے۔ جو اس کی بات ماننے سے انکار کر دے ایسے شخص کو وہ نشانۂ انتقام بنا لے، جو کوئی کسی مقابلے میں اس سے آگے بڑھ جائے اُس کی بوٹیاں نوچ لے۔

یہ ہے تصویر اس خوفناک حیوان کی جو انسانی زندگی کو خدا پرستی، اجتماعیت اور اخلاقی شعور کے اثرات سے پوری طرح آزاد کر دینے کے بعد باقی رہ جاتی ہے۔ اگر انسانیت کے اس خالص جبلی ڈھانچے کو جوں کا توں زمین پر زندگی گزارنے کا موقع ملتا تو شاید نہ زندگی کا سلسلہ دراز نہ ہو سکتا اور انسانی افراد باہم یک دگر کشمکش کے اوائل ہی میں اپنی پوری نوع کو ختم کر لیتے۔

ہمارے خوفناک جبلی وجود کو خدا پرستی اور اجتماعیت اور اخلاق کے شعور نے ایک ایسی چیز دی ہے جس نے انسان کے لیے بقا و ارتقاء کی راہیں کھول دیں۔ وہ ہے صبر!

صبر ایک ایسی روک ہے جو انسان خود اپنے ایمان و شعور کے تحت اپنی خواہشات

اور اپنے جذبات پر لگاتا ہے اور اس طرح دوسرے بے شمار انسان اس کی زد سے محفوظ رہتے ہیں، جواباً اس کو بھی دوسروں کی طرف سے تحفظ ملتا ہے۔ اگر یہ روک نہ ہو تو بار ہا انسان دوسرے انسانوں کا منہ نوچ لے، اُن کی محنتوں کے حاصل کو تہس نہس کر دے۔ ان کی جان کے درپے ہو جائے، اُن سے ہر متاع کو چھین اور لوٹ لینے کی کوشش کرے اور عام طور پر لوگوں کا حال ایسا ہو جائے کہ معاشرہ دار العذاب بن جائے۔

صبر کا انسان اسی طرح محتاج ہے جیسے کوئی گاڑی اپنی سلامتی کے لیے بریکوں کی محتاج ہوتی ہے۔ جہاں کوئی انتباہی نشان آیا، ڈرائیور نے بریکیں لگا کر گاڑی کی رفتار کم کر دی۔ اور اگر کسی جگہ گاڑی کے سامنے کوئی پتھر، درخت، گڑھا یا متنفس آ جائے تو اُسے بریکوں ہی کے ذریعے بالکل ساکت کیا جا سکتا ہے۔

صبر ہی پر تقویٰ مبنی ہے یا یوں کہیے کہ تقویٰ کی روح صبر ہے۔ بطور اصطلاح صبر اسلام میں متعدد مفہوم رکھتا ہے۔ اس کا ایک مفہوم یہ ہے کہ آدمی اپنے ایمانی شعور کے ساتھ رضاکارانہ طور پر اپنے نفس پر خود روک لگائے اور اس کو اسلام کی حدود سے تجاوز نہ کرنے دے۔ وہ اپنے لیے یہ طے کرے کہ وہ رزقِ حرام حاصل نہیں کرے گا۔ وہ کسی دوسرے سے اس کا حق یا فائدہ چھیننے یا اُس کے سر اپنی طرف سے کوئی نقصان اور وبال ڈالنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ وہ اُسے غیبت اور چغلی کے ذریعے اذیت نہیں پہنچائے گا۔ وہ جھوٹ اور وعدہ خلافی کے ذرائع کام میں نہ لائے گا۔ وہ امانتوں میں خیانت نہیں کرے گا۔ وہ اپنی نگاہوں کو آلودہ نہ ہونے دے گا۔

صبر کی اس پگڈنڈی پر قدم رکھیں تو ہم تقویٰ کی وادی میں داخل ہو جاتے ہیں۔ خود تقویٰ کی حیثیت بھی یہی ہے کہ آدمی خدا کی مقررہ حدود سے آگے پیچھے نہ ہو اور اس کی مرضیات کی پابندی کرے۔ اور اس نے جن چیزوں سے روکا ہے اور جن کا بُرا انجام بتایا ہے ان سے باز رہے۔

اور نگاہ کو اگر زیادہ وسیع کیا جائے تو یہ سمجھنا دشوار نہیں کہ دینِ برحق کو اختیار کرنا اور اس کا عمر بھر پابند رہنا بڑا وسیع صبر اور بڑا عظیم تقویٰ ہے۔ اس دنیا کی زندگی میں رضائے الٰہی اور اُخروی نتائج کو مدِنظر رکھ کر بہت سے فوائد اور آسائشوں کو چھوڑنا اور تکلیفیں اور نقصانات اُٹھانا کوئی معمولی اور آسان کام نہیں ہے۔ یہی صبر و تقویٰ ہے جو انسانوں کو ایک دوسرے کے لیے خیر خواہ اور ایثار کیش بناتا ہے اور محبت و امن کی فضا پیدا کرتا ہے۔

سب سے پہلے تو ایمان صبر و تقویٰ پیدا کرتا ہے، اس کے بعد عباداتِ خمسہ میں سے ہر ایک کے ذریعے انسان کو صبر کیشی کی تربیت دی جاتی ہے۔ لیکن روزہ یا صوم تو بطورِ خاص صبر کے رویّے کی عملی مشق کا ذریعہ ہے۔ بعض اصحابِ علمِ تفسیر کا یہ خیال ہے کہ "وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ" میں صبر سے مراد روزہ ہی ہے۔ خود حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ رمضان کو "شَهْرُ صَبْرٍ" کا نام دیا ہے[1]۔ (روایت مجیبۃ الباہلیہ مشمولہ ریاض الصالحین نمبر ۱۲۴۵)۔

سورۂ بقرہ میں روزوں کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ یہ تم میں تقویٰ پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں۔ اور تقویٰ صبر ہی کی وسیع تر صورت کا نام ہے۔

روزے میں سحری سے افطار تک کھانے پینے پر بھی کامل پابندی ہے اور ازدواجی رابطہ بھی ممنوع ہے۔ پھر نیند پوری نہ ہونے کے باوجود سحری کے لیے اُٹھنا اور عشاء کے بعد تراویح کی لمبی نماز پڑھنا آدمی کے لیے خاصا بڑا امتحان ہے اور یہ امتحان دو چار دن کے لیے نہیں، مہینہ بھر جاری رہتا ہے۔ اس مہینے بھر کی مدت میں انسان کو اپنی

---

[1] روایت سلمان فارسیؓ میں رمضان کے متعلق آیا ہے کہ "وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ" (بیہقی)

بنیادی جسمانی خواہشوں کے دباؤ اور ان کی اُکساہٹوں کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے اور ان کو قابو میں رکھنے کی مشق بھی ہو جاتی ہے۔

مگر مطلوب صرف بھوک پیاس وغیرہ جیسے امور پر ہی قابو پانا نہیں، بلکہ مطالبہ یہ بھی ہے کہ اگر کوئی گالی دے یا لڑے جھگڑے تو اسے جیسے کو تیسا کے اصول پہ جواب نہ دیا جائے بلکہ عذر کر دیا جائے کہ بھائی میں روزے سے ہوں اور ایسی حرکات نہیں کر سکتا۔

(روایت ابوہریرہ۔ متفق علیہ مندرجہ ریاض الصالحین۔ نمبر ۱۲۳۷)

پھر بس اسی پر ہی نہیں بلکہ حضورؐ نے فرمایا کہ جس شخص نے جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اس سے اللہ کو اس بات کی کوئی حاجت نہیں ہے کہ وہ کھانا پینا ترک کرے۔

(روایت ابوہریرہؓ بخاری۔ مندرجہ ریاض الصالحین۔ نمبر ۱۲۳۸)

"قول الزور اور عمل بالزور" میں گناہ کی تمام باتیں آجاتی ہیں۔ یعنی روزے کا اصل مقصد یہ ہے کہ آدمی گناہ کے تمام کاموں کو چھوڑ دے اور مہینے بھر میں اس کی مشق بہم پہنچائے کہ جس طرح وہ بھوک، پیاس، آرام، نیند اور ازدواجی معاملے میں اپنے اوپر پابندیاں عاید کیے ہوئے ہے اسی طرح وہ یہ پابندیاں بھی عاید کرے کہ بُری باتوں اور بُرے کاموں سے اجتناب کرے گا۔ اگر کوئی شخص دروغ گوئی، وعدہ خلافی، غیبت، چغلی، ظلم و زیادتی کے مشاغل کو جاری رکھے تو محض روزے کا ظاہری ڈھانچہ خدا کو مطلوب نہیں ہے۔ اسی طرح دارمی نے روایت ابوہریرہ میں حضورؐ کا یہ ارشاد بھی بیان کیا ہے کہ قیام لیل کرنے والے بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کو قیام سے بجز رت جگے کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

یوں بات لفظ صبر سے چل کر پھیلی ہوئی تقویٰ کا وسیع مفہوم اختیار کر لیتی ہے۔

اندازہ کیجیے کہ اس طرح کی تربیت سے اگر کسی معاشرے کے ہزارہا لوگ "اِیمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا" (روایت ابوہریرہ۔ ریاض الصالحین۔ نمبر ۱۲۱۶) کی شرط کے ساتھ گذریں تو سارا ماحول تبدیل ہو سکتا ہے۔ لوگ آپس میں بات کریں تو صدق و سلامتی کے ساتھ، لین دین کریں

تو دیانت و امانت کے ساتھ، جذبوں اور خواہشوں کے ٹکراؤ پر انضباط حاصل کریں تو ٹھنڈے دل کے ساتھ۔ دوسروں کے خیالات، دوسروں کے استدلال، دوسروں کے مقاصد، دوسروں کے مشاغل، دوسروں کے اختلافات وغیرہ ساری چیزوں کو رواداری سے گوارا کریں۔ دوسرے کو وہی حقوق دیں کہ خود ان کو حاصل ہونے چاہئیں۔ دوسروں کو اس تکلیف سے تحفظ دلائیں جس سے وہ خود بچنا چاہتے ہوں۔ ماہ رمضان کی اس جسمانی، روحانی، اخلاقی تربیت سے اگر صحیح استفادہ کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ رشوت و خیانت، ظلم و استحصال اور جبر و تشدد کا دور دورہ ہمارے ہاں جاری رہ سکے۔ آج جو چھینا جھپٹی ہر طرف مچی ہے اور تکاثر و تفاخر کی جو سکون سوز دوڑ لگی ہے اُس کے وبال سے ہم بچ سکتے ہیں۔ انسان پر مشینوں کے اس دور نے جو نشۂ قوت طاری کر دیا ہے شاید اس کی گرفت سے ہم آزاد ہو سکیں، لذات اور تعیشات و تفریحات کا جو طوفان اُمڈ پڑا ہے اُس سے ہم اپنے اوقات اور توانائیوں کو بچا کر اچھے مقاصد کے لیے صرف کر سکیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان کا چاند دیکھ کر دعا فرمایا کرتے تھے:

"اَللّٰھُمَّ اَھِلَّہٗ عَلَیْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِیْمَانِ، وَالسَّلَامَۃِ وَالْاِسْلَامِ"

اور پھر چاند کو مخاطب کر کے رَبِّیْ وَرَبُّکَ اللّٰہُ کے الفاظ ادا کرنے کے بعد یہ بھی فرماتے کہ ھِلَالُ رُشْدٍ وَخَیْرٍ۔ (روایت طلحہؓ بن عبیداللہ، مشمولہ ترمذی، بحوالہ ریاض الصالحین نمبر ۱۲۲۵)

یعنی اے اللہ اس ہلال کی نمود ہمارے لیے امن و امان اور ایمان اپنے ساتھ لائے اور سلامتی اور اسلام اس کے ہم رکاب ہو۔ آخر میں فرماتے: یہ چاند ہمارے لیے ہدایت اور بھلائی کا چاند ہو۔

اس دعا کی روشنی میں بھی صاف عیاں ہے کہ مسلمان معاشروں اور مسلمان جماعتوں کا رُخِ سفر اصل میں ایمان و اسلام کے ساتھ امن و سلامتی کی طرف ہے۔ لوگ اپنی خواہشات کے بندے نہ بنیں، ذرا ذرا سے مفاد کے لیے دوسروں کے حق میں باعثِ آزار نہ ہوں، بد زبانی اور دراز دستی نہ کریں۔ اور محبت و آشتی کی فضا میں ایک دوسرے کے

خیر خواہ اور معاون ہوں۔
یہ ہیں "لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" کے معنی اور یہ ہے ماہ رمضان کی لمبی تربیتِ صبر کا اصل مطلوب!

رضائے الٰہی کے صحیح نصب العین کے تحت زندگی کی صلاح و فلاح کے مذکورہ مقصود کو سامنے رکھ کر روزے رکھیئے، افطار کیجیئے اور کرایئے۔ تراویح پڑھیئے، سحری کو اُٹھیئے، قرآن پڑھیئے اور قرآن سُنیئے۔ صدقہ و خیرات کیجیئے تاکہ اس مہینہ کی پوری برکات حاصل ہوسکیں اور صبر و تقویٰ کی راہوں میں گامزنی کی جاسکے۔

تصحیح

"اختلاف امتی رحمۃ" حدیث نہیں ہے۔ ہم نے اس غلط العام بات کو لکھ دیا۔ خدا معاف کرے۔

ڈاکٹر عبدالحق صاحب (مدینہ منورہ)، کو خدا جزائے خیر دے کہ انہوں نے متنبہ کرکے خیر خواہی کا حق ادا کیا۔

یہ ایک حقیقت عمومی پر مشتمل مقولہ ہے۔ ایسا ایک قول امام مالکؒ کا سیوطی نے نقل کیا ہے نیز معلوم ہوا کہ حضرت عباس سے بھی ایسا کوئی ارشاد موجود ہے

مگر جو ارشاد رسول اللہ کا نہ ہو، اُس کو حضورؐ سے منسوب کر دینے میں گناہ ہے۔ دانستہ کیا گیا ہو تو انتہائی شدید قسم کا اور نادانستگی میں ہو جائے تو بھی معمولی نہیں۔ اللہ رحم فرمائے۔ (ن۔ص)

پچھلی مرتبہ کے اشارات میں پی۔ ایم۔ جی آفس کی جگہ جی۔ پی۔ او لکھا گیا تھا۔ غلطی کی تصحیح کر لی جائے۔ (ن۔ص)

حکمتِ سیّد مودودیؒ

روزوں کے چند مسائل[1]

(ادارہ)

مسئلہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سحری کرو، کیونکہ سحری میں برکت ہے"۔ برکت یہ ہے کہ اس سے آپ کو اللہ کے حکم کی بجا آوری میں سہولت ہوتی ہے...... جس وقت سے روزہ شروع ہوتا ہے۔ اس سے پہلے اگر آپ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اجازت سے فائدہ اُٹھا کر کھا پی لیتے ہیں تو وہ کھایا پیا دن بھر آپ کے کام آئے گا۔

مسئلہ: اسلام میں نمائشی تقویٰ کی کوئی گنجائش نہیں ہے...... جو وقت اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے اُس وقت تک تو آپ اس طرح رُکے رہیں کہ جیسے کسی نے آپ کو باندھ رکھا ہے، لیکن جس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت مل جائے، آپ اُسی وقت

[1] روزوں کے متعلق یہ چند متفرق مسائل ہیں جو مولینا نے اپنے سلسلۂ درسِ احادیث میں کتاب الصوم کی تشریح کرتے ہوئے بیان فرمائے۔ ان اقتباسات کو مولینا کے اپنے ہی الفاظ میں اخذ کیا گیا ہے اور کہیں کہیں ایک جملہ ایک جگہ سے اخذ کرنے کے بعد اس سے ربط رکھنے یا اس کی تشریح کرنے کے لیے دوسرا جملہ ذرا آگے سے لے کر بیچ کی عبارت کو چھوڑ دیا گیا ہے اور وہاں ایک خط ——— یا نقطوں کی ایک لائن --- لگا دی گئی ہے۔ (ن ۔ ر ص)

اُس چیز کی طرف دوڑیں جس سے اب تک رُکے ہوئے تھے ...... یہ چیز اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

مسئلہ: روزے کا آغاز چونکہ فجر سے ہوتا ہے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فجر کے وقت سے پہلے یہ عزم (نیت) کرلو کہ تم اللہ کے لیے روزہ رکھ رہے ہو۔

مسئلہ: اس طرح کی حالت (متن میں مراد ہے، جنابت) میں روزہ شروع کیا جا سکتا ہے اور اس سے روزے میں کوئی خرابی یا قباحت واقع نہیں ہوگی۔

مسئلہ: اگر آدمی بھولے سے پیٹ بھر کر کھالے یا گلاس بھر پانی یا کوئی چیز پی لے تب بھی اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔ لیکن جس وقت اُسے یاد آجائے اُسی وقت اپنا ہاتھ روک لے ...... اس سے یہ اصول بھی نکلا کہ بھولے کی غلطی معاف ہے۔

مسئلہ: اگر ایک آدمی اپنے نفس پر قابو نہ رکھ سکے اور قصداً روزہ توڑ دے تو اس کا کفّارہ کیا ہے ـــ؟ پہلا کفارہ غلام آزاد کرنا ہے ...... اگر یہ کفارہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو دوسرا کفارہ یہ ہے کہ وہ دو مہینے کے مسلسل روزے رکھے، اس طرح کہ بیچ میں چھوڑے نہیں۔ اگر وہ اس پر بھی قادر نہ ہو تو پھر اس کے لیے جائز ہے کہ وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے سے مراد دونوں وقت کا پیٹ بھر کر کھانا کھلانا ہے اور اس طرح کا کھانا کھلانا جس طرح کا آدمی خود کھاتا ہے[1]۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص قصداً قے کرلے تو اس صورت میں اس پر قضا لازم آئے گی، لیکن اگر اس کے پیٹ میں کوئی ایسی تکلیف ہو جس کی وجہ سے اُسے خود بخود قے آجائے تو

---

[1] اگر کوئی نواب صاحب یا جاگیردار یا سیٹھ صاحب یہ سمجھ لیں کہ وہ ہر روزے کے بدلے میں روزانہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا کر روپے کے بل پر روزے سے بچ سکتے ہیں تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ "کفارہ" کے معنی سودا کرنے کے نہیں ہیں۔ یہاں تو معاملہ ایک گناہ یا کوتاہی کو محسوس کر کے اس کی تلافی کا جذبہ خدا کے سامنے پیش کرنے کا ہے۔ جمع تفریق کا نہیں۔ (ا۔ ص)

تو چاہے قے پوری طرح سے منہ بھر کر آئے یا کئی مرتبہ آئے، اس سے اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا اور قضا لازم نہیں آئے گی۔

مسئلہ: روزے کی حالت میں مسواک کی جا سکتی ہے اور اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (برش بھی کیا جا سکتا ہے۔ ن۔ ص)

مسئلہ: یہ روایت (عن انس ۔۔۔ ترمذی) ضعیف ہے۔ تاہم اگر اس کو صحیح مانا جائے تو اس سے صرف اتنی گنجائش نکلتی ہے کہ (آنکھ میں) سرمہ لگایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ وہ ذرا سی چیز ہوتی ہے۔ لیکن اس سے یہ استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ آنکھ میں باقاعدہ دوائی ٹپکانا بھی جائز ہے، کیونکہ آنکھ اور حلق کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔ اگر آپ کوئی رنگین دوا آنکھ میں ڈالیں تو تھوڑی دیر کے بعد اس کا رنگ آپ کے حلق میں آ جائے گا۔ اور تھوکنے سے تھوک بھی اسی رنگ کا نکلے گا۔

آنکھ کے برعکس کان میں دوا ڈالنا جائز ہے، کیونکہ کان اور حلق کے درمیان ایسا پردہ ہوتا ہے جس سے دوا نہیں گزر سکتی۔

اصل میں یہ مسئلہ فقہ کا نہیں بلکہ طب کا ہے۔

مسئلہ: پانی میں بیٹھے رہنے یا نہانے سے (یا چہرے اور سر پر پانی ڈالنے سے) گرمی کی تکلیف اور پیاس کی شدت میں کمی واقع ہوگی۔ لیکن یہ روزہ توڑنے والی چیز نہیں ہے البتہ اگر آپ حلق سے پانی کا ایک قطرہ بھی گزار دیں گے تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

مسئلہ: (حضورؐ کی حدیث ۔۔۔ روایت ابوسعید الخدری) تین چیزیں روزہ دار کا روزہ نہیں توڑتیں (۱) پچھنے لگانا[۱] یا لگوانا (۲) قے کا آنا (نہ کہ خود لانا ۔۔۔ مرتب) اور خواب میں جنابت کا لاحق ہو جانا۔

---

[۱] پچھنے لگوانے اور لگانے کے سلسلے میں مختلف روایات ہیں اور ان پر بحثیں کی گئی ہیں، لہٰذا اس مسئلے کو اجمالاً نہ لیا جائے، بلکہ علماء سے تفصیل معلوم کی جائے۔ خود مولانا مودودیؒ نے بھی صحابہ و ائمہ کے چند مختلف نقطہ ہائے نظر اجمالاً بیان کیے ہیں۔ (ن۔ ص)

مسئلہ: سفر کی حالت میں روزہ رکھنا اور نہ رکھنا دونوں جائز ہیں — اگر ایک آدمی کی قوتِ برداشت زیادہ ہو اور وہ ایسے حالات میں سفر کر رہا ہو جن میں بہت زیادہ مشقت بھی پیش آنے کا خدشہ نہ ہو تو اس صورت میں اس کے لیے روزہ رکھنا افضل ہوگا۔ اس کے برعکس ایک آدمی کی قوتِ برداشت کم ہو اور اسے سفر میں بھی ایسے حالات پیش آنے کا خطرہ ہو جن میں روزے کی سختی برداشت کرنا مشکل ہو جائے تو اس صورت میں اس کے لیے روزہ نہ رکھنا ہی صحیح ہے۔

مسئلہ: اگر ایک شخص پر روزے کی حالت میں کوئی ایسی سختی آ جائے جسے وہ برداشت نہ کر سکتا ہو تو وہ وقت سے پہلے روزہ کھول سکتا ہے — (مثلاً غلبۂ مرض یا شدید ضعف و نقاہت، یا کسی مصیبت کی وجہ سے طویل ناگہانی تگ و دو ۔ مرتب) اس طرح روزہ کھولنا روزہ توڑنے کی تعریف میں نہیں آتا کہ اس پر کفارہ لازم آئے۔ اس کی صرف قضا لازم آتی ہے۔

مسئلہ: مسافر اور دودھ پلانے والی اور حاملہ عورت کو روزہ چھوڑنے کی اجازت دینے کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ روزہ نہ رکھیں تو کوئی مضائقہ نہیں...... یہ دور گزر جانے کے بعد انہیں ان روزوں کی قضا ادا کرنا ہوگی۔

مسئلہ: (ترجمہ متنِ حدیث، روایت معاذۃ العدویہ مشمولہ مسلم) حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں) ہم پر یہ حالت گزرتی تھی تو ہمیں یہ حکم دیا جاتا تھا کہ ہم روزوں کی قضا کریں، لیکن یہ حکم نہیں دیا جاتا تھا کہ ہم نمازوں کی بھی قضا کریں۔

مسئلہ: کسی شخص کے روزوں کی قضا کسی دوسرے شخص کے ذمے نہیں آتی۔ (بہ سلسلہ شرح روایت ابن عمر مشمولہ موطا امام مالک)

غیبت —— اسلامی تعلیمات کی رُو سے

جناب شبیر احمد نورانی صاحب

(غیبت ایک نہایت ہی گندا اور حرام لسانی فعل ہے جو ہمیشہ انسان کی خاندانی اور سماجی و سیاسی زندگی کو تباہ کرتا رہا ہے۔ بدقسمتی سے ہم مسلمان جو سماج سے ایسے عمل کو ختم کرنے کے لیے اٹھے تھے، ہم بھی اس بری طرح اس میں مبتلا ہیں کہ شاید ہی ہمارا کوئی دن بلکہ کوئی مجلس اور گفتگو اس سے بچ کر رہ جائے)

(ادارہ)

حفاظتِ زبان کی اہمیت — کتاب و سنت کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جن انتہائی قیمتی نعمتوں سے نوازا ہے ان میں سے ایک زبان بھی ہے جس کا صحیح استعمال انتہائی خوشگوار نتائج پیدا کرتا ہے۔ لیکن اگر اسے غلط استعمال کیا جائے تو یہی نعمت فساد اور خرابی کی جڑ بن جاتی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان کی حفاظت پر بہت زور دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

— وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا (الاسراء: ۳۶)

کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو۔ یقیناً کان، آنکھ اور دل و دماغ سب ہی کی باز پرس ہوگی۔

۲— مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۝ (ق: ۱۸)

"کوئی لفظ زبان سے نہیں نکلتا جسے محفوظ کرنے کے لیے ایک حاضر باش نگران موجود نہ ہو"۔ (بالفاظ دیگر زبان سے نکلنے والی ہر بات ہمارے نامۂ اعمال میں لکھی جا رہی ہے)۔

۳— قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ (المومنون - ۱ تا ۳)

"یقیناً فلاح پائی ایمان لانے والوں نے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں اور لغویات سے دُور رہتے ہیں"۔

قرآن کریم کی طرح احادیثِ نبویؐ میں بھی غیبت کی بُرائی کو پوری شدت سے بیان کیا گیا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۱— حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کون سا مسلمان بہترین ہے؟ فرمایا" جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان سلامت رہیں"۔ (بخاری، مسلم، نسائی)

اسی مفہوم کی روایت بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت کی ہے۔

۲— حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بہتر عمل کون سا ہے؟ ارشاد ہوا" وقت پر نماز کی ادائیگی"۔ میں نے پوچھا اس کے بعد کون سا؟ آپؐ نے فرمایا:" یہ کہ لوگ تیری زبان سے محفوظ رہیں"۔ (طبرانی بہ سند صحیح)

۳— حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، راہِ نجات کیا ہے؟ فرمایا" یہ کہ تم اپنی زبان قابو میں رکھو، اپنے گھر پہ قناعت کرو، اور اپنے گناہوں پہ رویا کرو"۔ (ابوداؤد، ترمذی، بیہقی)

نیز اسی معنیٰ کی حدیث طبرانی نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے — اور طبرانی و بیہقی،

دونوں نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہے۔

۴ - حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: "جو مجھے زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کی ضمانت دے، میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں"۔ (بخاری و ترمذی)

۵ - حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جسے اللہ تعالیٰ نے زبان اور شرم گاہ کے شر سے محفوظ کر دیا، وہ جنت میں داخل ہو گیا"۔ (ترمذی - ابن حبان)

۶ - حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا "اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تین چیزیں ناپسند فرمائیں، فضول باتیں کرنا، مال ضائع کرنا اور بلا مقصد سوال کرتے رہنا۔ (بخاری، مسلم، ابو داؤد)

۷ - حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ غیر متعلق باتیں کرنا چھوڑ دے"۔ (ترمذی)

۸ - حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا جو کچھ بھی ہم بولتے ہیں کیا وہ ہمارے نامۂ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "تیری ماں کا بھلا ہو۔ لوگ اپنی زبانوں کی وجہ سے ہی جہنم میں اوندھے منہ ڈالے جائیں گے۔ تیری سلامتی اسی میں ہے کہ تو ہمیشہ خاموش رہے۔ یونہی تو نے بات کی یا تیرے حق میں جائے گی یا تیرے خلاف"۔ (طبرانی)

زبان کی حفاظت اگر کم از کم گفتگو کے متعلق ذخیرہ حدیث میں ساٹھ کے قریب حدیثیں پائی جاتی ہیں جن میں سے چند کا تذکرہ بطور نمونہ قارئین کے سامنے پیش کیا گیا تا کہ وہ خود فیصلہ فرما لیں کہ زیادہ گفتگو مفید ہے یا کم۔

اکرام مسلم کی اہمیت اسلام میں اکرام مسلم کی اہمیت کیا ہے۔ اس کے لیے مندرجہ ذیل احادیث کا مطالعہ از بس ضروری ہے:

۱ - حضرت ابو بکرۃ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع کے

موقع پر یہ فرماتے ہوئے سُنا " بلاشبہ تمہارے خون، مال اور عزت تم پر اس طرح محترم ہیں جیسے آج کے دن، اس مہینے میں اور اس شہر کے اندر - آگاہ رہو! میں نے بات تم تک پہنچا دی ہے"۔ (بخاری، مسلم)

۲- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "مسلمان کے لیے مسلمان کا خون، عزت اور مال قابل احترام ہیں"۔ (مسلم، ترمذی)

۳- حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ سود کی بہتر قسمیں ہیں، سب سے چھوٹی قسم کا گناہ ایسا ہے جیسے آدمی اپنی والدہ کے پاس شہوت سے جائے - اور بدترین قسم اپنے بھائی پر زیادتی کرنا ہے - (طبرانی)

اسی معنی کی ایک روایت ابن ابی الدنیا نے "کتاب ذم الغیبۃ" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بھی نقل کی ہے۔

۴- ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے " اللہ کے ہاں بدترین گناہ کسی مسلمان کی عزت سے کھیلنا ہے"۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی - وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝

(الاحزاب - ۵۸)

(اور جو لوگ مومن مردوں اور عورتوں کو بے قصور اذیت دیتے ہیں۔ انہوں نے ایک بڑے بہتان اور صریح گناہ کا وبال اپنے سر لے لیا ہے۔) مسند ابی یعلیٰ

۵- حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول نقل فرمایا:

" بدترین زیادتی کسی مسلمان کی عزت پر ناحق حملہ کرنا ہے"۔ (ابوداؤد)

کیا اس کے بعد بھی کسی مسلمان کا دل یہ بات گوارا کرے گا کہ وہ کسی مسلمان کی عزت کو نشانہ بنا کر اس سے کھیلتا رہے اور لطف اندوز ہو۔

غیبت کیا ہے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے دریافت کیا۔ "تمہیں معلوم ہے کہ غیبت کیا ہے؟" انہوں نے کہا۔ "اللہ اور اس کے رسولؐ بہتر جانتے ہیں"۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ "تم اپنے بھائی کا تذکرہ اس طرح کرو جو اُسے ناپسند ہو"۔ کسی نے پوچھا۔ "جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اگر میرے بھائی کے اندر یہ بات موجود ہو؟" آپؐ نے فرمایا "جو کچھ تم کہہ رہے ہو اگر تمہارے بھائی میں موجود ہے تو تم نے غیبت کی اور اگر وہ بات اس میں موجود ہی نہیں تو تم نے بہتان باندھا"۔

(مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

چنانچہ غیبت کی تعریف یہ ہوئی کہ "کسی مسلمان کا تذکرہ اس انداز میں کرنا جو اُسے ناپسند ہو، یا جس سے اس کی تحقیر مقصود ہو"

غیبت کی حرمت اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ۝ (الحجرات - ۱۲)

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو بعض گمان گناہ ہوتے ہیں تجسس نہ کرو۔ اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ دیکھو تمہیں خود اس سے گھن آتی ہے۔ اللہ سے ڈرو، اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے)۔

اس فقرے میں اللہ تعالیٰ نے غیبت کو مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دے کر اس فعل کے انتہائی گھناؤنا ہونے کا تصور دلایا ہے۔ مُردار کا گوشت کھانا بجائے خود نفرت کے قابل ہے۔ کجا کہ وہ گوشت بھی کسی جانور کا نہیں، بلکہ انسان کا ہو، اور

انسان بھی کوئی اور نہیں، خود اپنا بھائی ہو۔ پھر اس تشبیہ کو سوالیہ انداز میں پیش کر کے اور زیادہ مؤثر بنا دیا گیا ہے تاکہ ہر شخص اپنے ضمیر سے پوچھ کر خود فیصلہ کر لے کہ آیا وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے کے لیے تیار ہے؟ اگر نہیں ہے اور اس کی طبیعت اس چیز سے گھن کھاتی ہے تو آخر وہ کیسے یہ بات پسند کرتا ہے کہ اپنے ایک مومن بھائی کی غیر موجودگی میں اس کی عزت پر حملہ کرے۔ جہاں وہ اپنی مدافعت نہیں کر سکتا اور جہاں اُس کو یہ خبر تک نہیں ہے کہ اس کی بے عزتی کی جا رہی ہے؟ اس ارشاد سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ غیبت کے حرام ہونے کی بنیادی وجہ کسی شخص کی غیر موجودگی میں اس کی بُرائی کرنا ہے، قطع نظر اس سے کہ اس کو اس کا علم ہو یا نہ ہو، اور اس کو اس فعل سے اذیت پہنچے یا نہ پہنچے۔ ظاہر ہے کہ مرے ہوئے آدمی کا گوشت کھانا اس لیے حرام نہیں ہے کہ مُردے کو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ مُردہ بے چارہ تو اس سے بے خبر ہوتا ہے کہ اُس کے مرنے کے بعد کوئی اُس کی لاش بھنبھوڑ رہا ہے، مگر یہ فعل بجائے خود ایک گھناؤنا فعل ہے۔ اسی طرح جس شخص کی غیبت کی گئی ہو اُس کو بھی اگر کسی ذریعہ سے اس کی اطلاع نہ پہنچے تو وہ عمر بھر اس بات سے بے خبر رہے گا کہ کہاں کس شخص نے کب اس کی عزت پر کن لوگوں کے سامنے حملہ کیا تھا اور اس کی وجہ سے کس کس کی نظر میں وہ ذلیل و حقیر ہو کر رہ گیا ہے۔ اس بے خبری کی وجہ سے اسے اس غیبت کی سرے سے کوئی اذیت نہ پہنچے گی مگر اُس کی عزت پر بہر حال اس سے حرف آئے گا۔ اسی لیے یہ فعل اپنی نوعیت میں مُردہ بھائی کا گوشت کھانے سے مختلف نہیں ہے۔

(سید مودودیؒ — تفہیم القرآن جلد ۵، ص ۹۴)

اس آیت کی مزید وضاحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ ذیل ارشاداتِ گرامی سے ہوتی ہے:

۱— حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قبیلہ بنو اسلم کا ایک آدمی (ماعز بن مالک الاسلمی)، آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اُس نے اپنے بارے میں زنا کا چار مرتبہ اقرار کرتے ہوئے کہا کہ میں نے کسی عورت سے بدکاری کی ہے۔ ہر مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے اس سے منہ پھیر لیا - آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا - "تم یہ اقرار کیوں کر رہے ہو؟" اس نے عرض کیا کہ میری خواہش ہے کہ آپ مجھے پاک کر دیں - چنانچہ آپ نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا اور وہ سنگسار کر دیا گیا - اس کے بعد کہیں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری کو دوسرے سے یہ کہتے ہوئے سنا "اسے دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس پر پردہ ڈال رکھا تھا، مگر اس کے نفس نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا جب تک یہ کتے کی موت نہ مر گیا -

راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے - پھر کچھ دیر چلتے رہے - یہاں تک کہ آپؐ ایک گدھے کی لاش کے پاس سے گذرے - لاش کے پھول جانے کی وجہ سے اس کی ٹانگ اوپر اٹھی ہوئی تھی - آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فلاں فلاں کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا ہم حاضر ہیں - اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں (غیبت کرنے والے اور سننے والے) کو حکم دیا کہ "اس گدھے کی لاش کھاؤ" - انہوں نے عرض کیا "اے اللہ کے رسولؐ اسے کون کھا سکتا ہے؟" آپؐ نے ارشاد فرمایا "ابھی ابھی جو تم اپنے بھائی کی عزت پر حرف زنی کر رہے تھے - وہ اس گدھے کی بدبودار لاش کھانے سے زیادہ بری ہے" (ابن حبان)

بعض دیگر کتابوں میں بھی اس مفہوم کی حدیث پائی جاتی ہے - اگرچہ الفاظ میں کچھ کمی بیشی ہے -

۲ - حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھے کہ اچانک بدبودار ہوا آئی - اسی وقت آپؐ نے سوال کیا "تم جانتے ہو یہ ہوا کیسی ہے؟ یہ ان لوگوں کی بدبو ہے جو لوگوں کی غیبتیں کرتے ہیں"

(مسند الامام احمد رحمہ اللہ)

(باقی)

وسطی ایشیا میں اسلام

جناب ڈاکٹر سعید اللہ قاضی صاحب - پشاور یونیورسٹی

(۲)

حضرت عمرؓ کے بعد اموی دور میں اسلام زیادہ پھیلا۔ اس دور میں اسلامی دعوت دور دراز علاقوں تک جا پہنچی اور مفتوحہ علاقوں کے اکثر باشندوں نے اسلام قبول کیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں عراق سے ۱۰۰ یا ۱۲۰ ملین درہم بطور جزیہ وصول کیے جاتے تھے۔ عبدالملک کے دور میں یہ رقم گھٹ کر ۵۰ ملین رہ گئی۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ اکثر ذمیوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔[1]

ولید بن عبدالملک کے دور میں قتیبہ ابن مسلم خراسان کے والی تھے۔ انہوں نے وسط ایشیا میں بہت سارے علاقے فتح کیے۔ اہلِ سمرقند کے ساتھ صلح کی۔ شرائط میں سے ایک شرط یہ تھی کہ مسلمان یہاں مسجد بنائیں گے، اس میں باجماعت نماز ادا کریں گے اور خطبہ دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ مسجد بنائی اور اس میں نماز باجماعت اور خطبہ دینا شروع کیا۔[2]

اس وقت سمرقند والے بت پرست تھے۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ بتوں کو چھیڑنے والے ہلاک

---

[1] ضحی الاسلام - پہلی جلد ص ۳۵۳

[2] تاریخِ اسلام، جلد دوم، بنی اُمیہ ص ۱۳۶

ہو جاتے ہیں۔ قتیبہ نے ان کے عقیدے کو توڑنے کے لیے ان سارے بتوں کو جلا ڈالا۔ جب مسلمانوں کو کوئی ضرر بھی نہ پہنچا تو بے شمار صغدیوں نے اسلام قبول کیا اور قتیبہ نے سمرقند میں مسلمانوں کی ایک بستی بنالی۔[1]

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کے زمانے میں اسلامی حکومت کی حدود میں توسیع ہونے کے بجائے اسلام کی توسیع اور اشاعت پر زور دیا گیا۔ اور اس کو ایک مقصد بنا لیا گیا۔ انہوں نے اپنی ساری توجہ اسلام کی اشاعت پر مرکوز کی اور اس کے لیے ہر قسم کے مادی اور اخلاقی وسائل بروئے کار لائے گئے۔ فوجی افسروں کو یہ ہدایت تھی کہ وہ اس وقت تک کسی سے نہ لڑیں جب تک وہ پہلے ان کو اسلام کی دعوت نہ دیں۔ اور جو ذمی اسلام لے آئیں، ان کا جزیہ معاف کر دیں۔ اس پر اسلام کی بہت اشاعت ہوئی۔ اکیلے جراح بن عبداللہ والی خراسان کے ہاتھوں چار ہزار غیر مسلم اسلام لے آئے۔ اسماعیل بن عبداللہ والی مغرب کی تبلیغ سے سارے شمالی افریقہ میں اسلام پھیل گیا۔[2]

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی ذاتی کوششوں اور اخلاق اور دین کے ساتھ محبت کی وجہ سے بعض ملکوں نے، جو اسلام کی طرف مائل تھے، ان کے پاس وفود بھیجے اور ان سے ان کے ساتھ مبلغین بھیجنے کی درخواست کی۔ چنانچہ انہوں نے مبلغین کو روانہ کیا۔ اس کا نتیجہ کیا نکلا ہوگا اس کا اندازہ ہر فطین آدمی خود بخود لگا سکتا ہے۔ اسی طرح تبت کے ایک وفد کے ساتھ سلیط بن عبداللہ حنفی کو چین بھیجا گیا جس نے وہاں اسلام کی تبلیغ کی۔[3]

اسی طرح ہشام بن عبدالملک کے دورِ خلافت میں اشرس بن عبداللہ سلمی والی خراسان بنے۔ وہ بڑے فاضل اور دیندار آدمی تھے۔ انہوں نے تلوار نیام میں رکھ دی اور ترکستان میں اشاعتِ اسلام کی کوششیں شروع کر دیں۔ اور ابوالصیدا نامی ایک آدمی کو ایک جماعت

[1] تاریخ اسلام جلد دوم ص ۱۳۶ - ۱۳۸

[2] ایضاً ؍ ص ۲۱۹ - ۲۲۱

[3] ایضاً

کے ساتھ تبلیغِ اسلام کے لیے سمرقند بھیجا - اس کی کوششوں سے اتنے ذمی مسلمان ہو گئے کہ جزیے کی رقم انتہائی حد تک کم ہو گئی - لیکن اسی اشرس نے آمدنی میں کمی ہونے کی وجہ سے ایک غلطی کی اور وہ یہ تھی کہ جب ذمیوں نے اسلام قبول کیا اور اسلامی احکام باقاعدگی سے بجا لانے شروع کیے تو اس نے اس کے باوجود ان سے جزیہ لینا شروع کیا۔ ان نومسلموں نے اس کے خلاف احتجاج کیا اور اس عمل سے وہ اسلام سے متنفر بھی ہونے لگے۔ لیکن جب ۱۲۰ھ میں نصر بن یسار کنانی کا تقرر عمل میں آیا تو اس نے پھر یہ جزیہ معاف کر دیا اور اس طرح مسلمانوں کی تعداد میں پھر اضافہ ہونا شروع ہوا۔[1]

بعد ازاں آٹھویں صدی عیسوی کے قریب بلخ کے ایک امیر سامان نامی نے، جس نے خراسان کے والی اشرس بن عبداللہ سے امداد حاصل کی تھی، زرتشتی مذہب کو ترک کر کے اسلام کو قبول کیا اور اپنے معاون کے نام پر اپنے بیٹے کا نام اسد رکھا اور یہ وہی نومسلم ہے جس سے سامانی خاندان (۸۷۴ء سے ۹۹۹ء) کا سلسلہ چلا - نویں صدی کی ابتدا میں قابوسی خاندان کا پہلا حکمران کریم بن شہریار مسلمان ہوا اور ۳۰۳ھ میں دیلم کے علاقے میں بہت سے لوگ ابو محمد ناصر الحق کے اثر سے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔[2]

دسویں صدی میں بحیرۂ خزر (کیسپین) کے جنوبی ساحل پر علوی خاندان کے حکمران حسن بن علی نے، جو علم و فضل اور فہم و فراست کے علاوہ مختلف فرقوں کے مذہبی عقائد سے بھی خوب واقف تھا - طبرستان اور دیلم کے باشندوں کو اسلام کی دعوت دی - ان میں سے بہت سے بت پرست تھے اور بعض مجوسی ان میں سے اکثر لوگوں نے ان کی اس دعوت پر لبیک کہا اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔[3]

ان تمام حالات کے ساتھ ساتھ اموی دور میں عربی عصبیت غالب رہی - ان کے دور میں وسط ایشیا میں عربی عنصر بہت اہمیت کا حامل تھا - اہم عہدوں پر صرف عربوں کو تعینات کیا

---

[1] تاریخِ اسلام جلد دوم ص ۲۴۵ - ۲۵۰

[2] فجر الاسلام، ص ۱۰۴ - دعوتِ اسلام، ص ۲۱۲ - ۲۱۳ -

[3] دعوتِ اسلام ص ۲۱۲، ۲۱۳ -

کیا جاتا تھا۔ عجمیوں کو بہت کم اہمیت دی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ ذمہ دارانہ امور میں اُن پر اعتماد تک نہیں کیا جاتا تھا۔ اموی دور میں غلاموں کو بہت کم اہم عہدوں پر تعینات کیا جاتا تھا۔ اس کا سخت ردِ عمل ہوا۔ اور عربوں اور غیر عربوں کے درمیان ایک قسم کی منافرت نے جنم لیا۔ بسا اوقات اس منافرت نے بغاوت کی شکل بھی اختیار کی۔ مثلاً حجاج بن یوسف کے دور میں ابن اشعث نے اسی بنیاد پر حجاج کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اور اس نے اپنے ساتھ امام شعبیؒ، سعید بن جبیرؒ اور ابراہیم نخعی جیسے جید قاری اور علما ملا لیے۔ کچھ اس منافرت کی وجہ سے اور کچھ اموی دور کے بعض حکمرانوں کے گفتار اور کردار میں تضاد کی وجہ سے اسلام کی اشاعت کو بہت نقصان پہنچایا۔[1]

پھر اس باہمی چپقلش کا نتیجہ ابومسلم خراسانی کی تحریک کی صورت میں نمودار ہوا۔ لیکن جب حکومت عباسیوں کے ہاتھ میں آگئی تو انہوں نے بھی امویوں کی غلطی کو دہرایا اور عربوں کے بجائے غیر عربوں کو زمام اقتدار سونپی۔ منصور نے غلاموں کو اعلیٰ عہدوں پر تعینات کیا اور ان کو عربوں پر فوقیت دی۔ الغرض منصور پہلا آدمی تھا جس نے اکثر عہدوں پر غلاموں کو تعینات کیا۔ کہتے ہیں کہ عباسیوں کے ہاں پانچ ہزار غلام حکومت کے مختلف عہدوں پر تعینات تھے۔[2]

ہارون الرشید کے زمانے میں بھی غلاموں کی تعداد زیادہ تھی اور ان کا نفوذ برامکہ خاندان کی وجہ سے ہوا۔ یہاں تک کہ فضل برمکی نے خراسان میں اپنی ایک فوج تیار کر لی، جس کا نام اُس نے العباسیہ رکھا۔ اس نے اس کا اختیار عباسیوں کو دیا۔ اس فوج کی تعداد پانچ لاکھ تھی۔[3] مامون کے زمانے میں بھی فارسیوں کا نفوذ جاری تھا۔ معتصم کی فوج کا سپہ سالار افشین فارسی ایرانی تھا۔ ابومسلم خراسانی عربی زبان کا ماہر تھا۔ اُس زمانے میں اکثر منشی عربی زبان کے ماہر تھے۔ اس طرح ایرانیوں نے دولتِ عباسیہ کے ابتدائی دور میں زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لی۔

---

[1] ضحی الاسلام، پہلی جلد، ص ۴۰، ۴۱، ایضاً تاریخ (نواں ایڈیشن)

[2] ایضاً 〃

[3] ایضاً 〃 ص ۴۲

ان کا یہ اقتدار معتصم کے دور تک جاری رہا۔ معتصم کے دور سے ترکوں کا اقتدار شروع ہوا۔ اور ایرانیوں کا اقتدار کمزور پڑ گیا۔ ترکوں کا اقتدار بنی بویہ کے اقتدار سنبھالنے تک رہا۔ چونکہ بنی بویہ ایرانی تھے اس لیے انہوں نے ترکوں کو اقتدار سے محروم کر دیا۔ اس طرح ترکوں کی قوت کمزور پڑ گئی۔[1] اس چپقلش نے مرکزی حکومت کو بُری طرح کمزور کر دیا۔ اس کا اثر اشاعتِ اسلام پر بہت بُرا پڑا۔ پھر بھی عباسی خلفاء نے اسلام کی اشاعت میں کافی دلچسپی لی۔

جب مامون خلیفہ بنا تو صغد اور اشروسنہ پر حملہ کیا۔ اُس وقت وہ خراسان میں تھا۔ حملے کے باوجود اُس نے وہاں کے لوگوں کو اسلام کی طرف بلایا۔ معتصم کے دور میں بھی اشاعتِ اسلام کا کام جاری رکھا گیا۔ یہاں تک کہ اس کی فوج کے اکثر سپاہی ماوراء النہر، صغد، اشروسنہ اور شاش کے رہنے والے تھے۔ مامون خود بھی لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتا تھا۔ ایک دفعہ خراسان میں ایک نومسلم نصرانی مرتد ہوا۔ مامون نے اپنی ذاتی کوشش اور دلائل سے اس کو دوبارہ اسلام کی طرف مائل کیا۔[2]

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ بعض لوگوں نے منصب اور عہدوں کے لیے بھی اسلام قبول کیا تھا۔ اسی طرح اس کے بیٹے افشین نے بھی عہدے کے حصول کے لیے اسلام قبول کیا تھا۔[3]

یہ تھا وہ مختصر سا خاکہ جو وسطی ایشیا میں اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں پیش کیا گیا۔ آیئے آخر میں ایک مورّخ کا تاثر اُس وقت کے وسط ایشیا کے بارے میں سُن لیں۔ یہ مورّخ خراسان اور ماوراء النہر کے علاقوں کو اقلیمِ مشرق کے نام سے یاد کرتا ہے لکھتا ہے

"یہ بہت وسیع ملک ہے۔ یہاں کے اکثر لوگ بڑے بڑے عالم ہیں۔ یہ اقلیم خیر کی

---

[1] ضحی الاسلام، پہلی جلد ص ۴۳
[2] ایضاً " ص ۳۶۰، ۳۶۱
[3] ایضاً " ص ۳۶۲

کان اور عنبر کا مرکز ہے۔ اس اقلیم کے بادشاہ بہترین بادشاہ ہیں اور فوج بہترین فوج ہے۔ یہاں فقہا کا درجہ بادشاہوں کے برابر ہے۔ انہوں نے امویوں کے خلاف انقلاب برپا کیا۔ اور خلافت عباسیوں میں منتقل کر دی۔

خراسان کی ہوا بہت اچھی ہے، پانی صاف اور شفاف ہے، زمین سونا اُگلتی ہے، صنعت بہت مضبوط اور ترقی یافتہ ہے، لوگوں کی صحت بہت اچھی ہے۔ اسلحہ، تجارت، علم، حیا اور عقل اُن کے پاس ہے۔

خراسان کے باشندے بہت ہوشیار بھی ہیں اور حق پرست بھی۔ خیر و شر سے بہت واقف ہیں۔ عربوں کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں۔ یہاں علماء اور فضلا بہت زیادہ ہیں۔ یہاں کے باشندے بہت مالدار ہیں۔ صائب الرائے ہیں۔ یہاں مَرو ہے جس پر ساری دنیا کی کامیابی کا دارومدار ہے۔ یہاں بلخ ہے جس پر ساری خوبیاں ختم ہیں۔ یہاں نیشاپور ہے جس کو کبھی بھلایا نہیں جا سکتا۔

اہل خراسان کے پاس پیسہ بہت ہے۔ یہاں یہودی کثیر تعداد میں آباد ہیں عیسائیوں کی تعداد کم ہے۔ اولادِ علی بہت بلندیوں پر ہے۔ ہاشمی اکثر فقیر اور کمزور ہیں، البتہ ہرات اور سجستان میں خوارج کی تعداد زیادہ ہے۔ نیشاپور میں معتزلہ آباد ہیں۔ لیکن غالب نہیں ہیں۔ یہاں شیعہ بھی بستے ہیں۔ یہاں امام ابوحنیفہ کے پیروکار زیادہ ہیں، البتہ شاش، طوس، فسا۔ اور ابیورد میں ان کی تعداد کم ہے، یہاں کے باشندے شافعی المسلک ہیں ہرات، سرخس اور سجستان میں ان کی قوت کافی ہے۔ ان علاقوں میں آلِ سامان کا تسلط ہے۔ آلِ سامان سیرت و صورت اور علم اور علماء کے بارے میں بہت اچھے بادشاہ ہیں۔ یہ بادشاہ حنفی مسلک کی طرف زیادہ مائل ہیں۔"[1]

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ ۔ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

---

[1] احمد امین، ظہر الاسلام، بیروت، ۱۹۶۹ء، پانچواں ایڈیشن پہلی جلد ص ۲۶۰-۲۶۲۔

حالات ومقامات

جناب عبد الهادی احمد صاحب

(۱) لیبیا

لیبیا پر حملہ کر کے امریکہ نے بین الاقوامی غنڈہ گردی کی شرمناک مثال پیش کی ہے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ امریکہ نے سرزمینِ اسلام پر براہ راست جارحیت کی ہے۔ اِس سے پہلے وہ اس مقصد کے لیے اپنے پالتو ایجنٹ یہودیوں کو استعمال کرتا چلا آیا ہے۔ لیبیا پر حملے میں صدر امریکہ نے بحیرۂ رُوم میں موجود اپنے بحری بیڑوں کے علاوہ اتحادی مُلک برطانیہ کے ہوائی اڈّے بھی استعمال کیے اور اپنے عالمی جرم کو جائز ثابت کرنے کے لیے مغربی جرمنی، برطانیہ اور کینیڈا سے بھرپور تائید بھی حاصل کی ـــــ یوں تیس لاکھ آبادی کے ایک چھوٹے سے مُلک کے خلاف امریکہ نے پوری صلیبی قوتوں کو منظّم کر کے میدان میں اُتارا۔

۲۴ مارچ کو خلیج سدرہ میں لیبیا کے جہازوں پر حملہ امریکی جارحیت کا نقطۂ آغاز تھا۔ اِس حملے کے اختتام پر صدر ریگن نے اعلان کیا تھا کہ اگر روم اور وی آنا کے ہوائی اڈوں پر ہونے والے واقعات میں لیبیا کا ملوّث ہونا ثابت ہو گیا تو امریکہ دوبارہ حملہ کرے گا۔ گویا پہلے صرف جرم کے شبہے میں سزا دی گئی اور دوبارہ جرم ثابت ہونے پر ـــ اس کے بعد صدر ریگن نے کرنل قذافی پر غصّے سے دانت پیستے ہوئے انہیں "مشرق وسطیٰ کا پاگل کُتّا" قرار دیا۔ اُن کے ایک سینیر معاون نے اپنے صدر کی تائید کرتے ہوئے کہا:

"ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ پاگل کتّوں سے کیا سلوک کیا جاتا ہے۔"

اس کے بعد مبصرین کو یقین ہو چلا تھا کہ اب لیبیا پر مزید حملے ہوں گے، لیکن عام خیال یہ تھا کہ امریکی طیارے طرابلس اور بن غازی کی فوجی تنصیبات پہ حملہ کریں گے۔ اس کے برعکس انھوں نے ان شہروں کے پرامن شہریوں پر بم برسائے۔ ۱۵ اپریل کی صبح طرابلس کے کوچہ و بازار بے گناہوں کے لہو سے لالہ زار بن گئے۔ امریکہ کے بہادر "کاؤ بوائے" نے "دہشت گردوں" کے گناہوں کا بدلہ ۱۶ ماہ کی معصوم بچی حنا سے لیا۔ سینکڑوں بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کو شہید کر دیا گیا اور ہزاروں بے قصور شہریوں کو گھروں سے بے گھر یوں امریکی صدر کا غصہ کچھ کم ہوا۔ اور وہ اپنے کارنامے کو "پہلا گھونسا" قرار دیتے ہوئے واپس لوٹے۔

دنیا بھر میں امریکی جارحیت کا شدید ردِ عمل ہوا۔ غیر جانب دار ممالک کی تنظیم اور اسلامی ممالک نے لیبیا سے یک جہتی کا اظہار کرتے ہوئے امریکی دہشت گردی کی مذمت کی۔ پاکستان میں سب سے پہلا احتجاج طلبہ کی ملک گیر تنظیم اسلامی جمعیت طلبہ نے کیا۔ وزیر اعظم محمد خان جونیجو نے امریکی حملے کو غیر قانونی اقدام کہا اور دوسرے سیاستدانوں نے احتجاجی بیانات دیئے۔ امیرِ جماعتِ اسلامی پاکستان میاں طفیل محمد نے اپنے ردِ عمل کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

> "امریکہ کا ایک سپر پاور ہونے کے زعم میں ایک چھوٹے ملک پر حملہ آور ہو جانا بدترین قسم کی جارحیت ہے، جس کی پوری دنیا کو اس طرح مذمت کرنی چاہیے جیسے افغانستان پر روسی حملے کی ہو رہی ہے"۔

امریکہ نے اپنے اقدام کے جواز کے طور پر کہا ہے کہ قذافی قاتلوں اور ڈاکوؤں کے سرگروہ اور دہشت گردوں کے سرپرست ہیں، دنیا بھر کی "دہشت گرد" اسلامی تحریکوں کو اقتصادی امداد اور عسکری تربیت لیبیا میں دی جاتی ہے، اس لیے امریکہ پر واجب ہے کہ وہ لیبیا کو سزا دے۔ ۱۵ اپریل کے امریکی حملے کا سبب برلن کے ایک ناچ گھر میں بم کا دھماکا بتایا جاتا ہے جس میں ایک ترک عورت اور ایک امریکی فوجی ہلاک ہوئے۔ اس واقعے کے ثبوت میں کہا گیا ہے کہ خلائی سیاروں سے مدد لی گئی ہے۔ خلائی سیاروں نے یہ

"رپورٹ" بھی دی ہے کہ مختلف طیاروں کے حادثات میں بھی قذافی کا ہاتھ تھا۔ قذافی کا ایک جرم یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ لبنان میں منافرت مذہبی جنگ چھیڑنے کے لیے ایران کو دس کروڑ ڈالر فراہم کرے گا۔

صدر قذافی کو جھگڑالو، وحشی اور مذہبی جنونی کے روپ میں پیش کرنے کے لیے امریکہ نے پروپیگنڈے کے تمام وسائل جھونک رکھے ہیں۔ بین الاقوامی یہودی لابی جسے دنیا بھر میں ذرائع ابلاغ پر اجارہ حاصل ہے، دن رات لیبیا کے سربراہ کا کردار مسخ کر کے پیش کرنے میں لگی ہوئی ہے۔ اس پروپیگنڈے کے اثر سے امریکہ اور مغربی دنیا میں قذافی کا نام برائی کی علامت بن کر رہ گیا ہے۔ امریکی سینیٹر ہوورڈ نے امریکیوں کی قذافی سے شدید نفرت کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا:

"قذافی کو فوری طور پر قتل کر دینا چاہیے۔"

قذافی کو زچ کرنے کے لیے صدر ریگن نے خلیج سدرہ میں اپنے بحری جہازوں کے بڑے بڑے جلوس نکالے، امریکہ میں لیبیا کے تمام مالیاتی اکاؤنٹ اور اثاثے منجمد کر دیے اور اپنے اتحادیوں سے بھی اقتصادی بائیکاٹ کے لیے کہا۔ یہ الگ بات ہے کہ سوائے جاپان کے یورپی برادری کے دوسرے ممالک اقتصادی بائیکاٹ اور لیبیا میں اپنے مالی فوائد سے دستبردار ہونے کے لیے آمادہ نہ ہوئے۔ ریگن نے امریکی تعمیراتی اور تجارتی کمپنیوں کو حکم دیا کہ وہ لیبیا سے فوری طور پر نکل جائیں اور اسے مالی نقصانات سے دوچار کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ اس کے نتیجے میں دوسرے نقصانات کے علاوہ لیبیا کو سب سے بڑا دھچکا یہ لگا کہ آب رسانی کا وہ عظیم منصوبہ نامکمل پڑا رہ گیا جس کا بنیادی کام دو امریکی کمپنیاں کر رہی تھیں۔ نو ارب ڈالر کے زرکثیر سے تعمیر ہونے والے اس عظیم مصنوعی دریا (GREAT MAN-MADE RIVER) کے ذریعے لیبیا جنوب کے آبی ذخائر کو شمال کی گنجان آبادی کے علاقوں تک پہنچانا چاہتا ہے۔ اس مقصد کے لیے دو ہزار کلومیٹر لمبی پائپ لائنیں تعمیر کی جائیں گی۔ امریکی کمپنیاں ابتدائی کام کے ذریعے کروڑوں ڈالر پہلے ہی کما چکی ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ امریکی ماہرین نے ایک لاکھ ڈالر سالانہ سے زیادہ تنخواہیں

وصول کرتے ہیں۔ لیبیا اب اس منصوبے کی تکمیل کے لیے کوریا اور جاپان وغیرہ سے رجوع کر رہا ہے۔

امریکہ کی منافقت اور دوغلے پن کا اس سے واضح ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ لیبیا اور فلسطینیوں کے لیے تو اپنے حقوق کی حفاظت کرنا دہشت گردی کہلاتا ہے، لیکن اسرائیل کو پوری آزادی ہے کہ وہ بستیوں کی بستیاں مسمار کر دے، معصوم بچوں اور بے گناہ شہریوں کو ذبح کر دے بلکہ خود امریکہ اگر پُرامن شہریوں، بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو بمباری کا نشانہ بنائے تو یہ بھی دہشت گردی نہیں۔ عین انصاف ہے۔

لیبیا پر امریکی حملے کا دنیا بھر میں شدید ردِ عمل ہوا۔ روس نے بھی اشک شوئی کے لیے مذمت کا بیان جاری کیا، لیکن ہمیشہ کی طرح روس نے اس مرتبہ بھی انتہائی مشکوک کردار ادا کیا۔ حسبِ سابق اس کا یہ دوغلا پن بے نقاب بھی ہو گیا۔ امریکی وزیر خارجہ نے یہ بیان دیا ہے کہ حملے سے پہلے امریکہ نے روس کے ناظم الامور کو اعتماد میں لیا تھا اور بتا دیا تھا کہ یہ حملہ لیبیا کی دہشت پسندی کے خلاف ہے۔ اس کے بعد یہ حقیقت بھی سامنے آگئی کہ امریکی حملے سے پہلے روس نے اپنے جاسوسی کرنے والے جہاز خلیج سدرہ کے علاقے سے دُور ہٹا لیے تھے۔ کویتی اخبار "الرائے العالم" نے روس سے سوال کیا ہے کہ اگر لیبیا پر حملے میں اس کی امریکہ سے ملی بھگت نہ تھی تو پھر اس نے پورا علاقہ امریکہ کے لیے خالی کیوں چھوڑ دیا تھا؟

یہ المناک حقیقت ہے کہ جہاں کچھ اسلامی ممالک امریکہ کی لابی میں شمار کیے جاتے ہیں، وہاں شام، الجزائر اور لیبیا وغیرہ روس کے حلقۂ اثر میں گنے جاتے ہیں، مگر جب بھی ان ممالک پر آزمائش آتی ہے امریکہ اور روس دونوں اپنے ان حلیفوں کے بجائے ان کے دشمنوں سے مل جاتے ہیں۔ امریکہ اُردن، عراق اور سعودی عرب وغیرہ کا "دوست" ہے، لیکن جنگ کے موقع پر اُن کے ازلی دشمن اسرائیل کی پیٹھ ٹھونکتا نظر آتا ہے۔ ادھر روس کا بھی یہی وطیرہ ہے۔ جنگ رمضان میں اس نے عین وقت پر شام کو ہتھیار دینا کی سپلائی روک کر مسلمانوں کی پیٹھ میں چھرا گھونپا تھا۔ پھر یہ روس ہی ہے جو اسرائیل کو

افراد، قوت فراہم کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ آج بھی روسی یہودی دھڑا دھڑ اسرائیل آ رہے ہیں اور انہیں ملک چھوڑنے کا لازمی ٹیکس بھی معاف ہے۔

چند ماہ قبل یمن کی خوفناک خانہ جنگی میں روس کی فوج نے براہ راست حصہ لیا اور ہزاروں مسلمانوں کا خون بہایا۔ امریکہ اس واضح روسی مداخلت پر خاموش رہا۔ بالکل اسی طرح اب امریکہ نے لیبیا پر حملہ کیا تو روس خاموش رہا ہے۔ عین ممکن ہے کہ اس 'تعاون' کے بارے میں روس افغانستان میں اپنی جارحیت میں اضافہ کردے اور امریکہ سے 'خاموشی' کا طالب ہو۔

صدر قذافی کی جذباتی انقلابیت اور سیمابی شخصیت سے لیبیا کے عوام کو خاصے نقصانات بھی اٹھانے پڑے ہیں۔ وہ روس کی تقلید میں اتنے آگے نکل آئے ہیں کہ واپسی کی راہیں بند نظر آتی ہیں۔ انہوں نے آنکھیں بند کرکے ملک کو روسی طرز کی اصطلاحات کے ذریعے ترقی دینے کی کوشش کی۔ قومی وسائل کو قومیانے کی سعی کی اور سپر مارکیٹوں کا قومی نظام بنایا جو بری طرح ناکام رہا۔ عام لوگ بنیادی اشیائے ضرورت سے محروم ہو گئے ہیں اور صاحب حیثیت لوگ بلیک مارکیٹ سے منہ مانگے داموں سے روزمرہ کی اشیاء خریدتے ہیں، چنانچہ گذشتہ دنوں یونیورسٹی، کالجوں کے دس ہزار طلبہ نے جو مظاہرے اور ہڑتالیں کیں، ان کا بنیادی سبب اشیائے ضرورت کی نایابی تھی۔ غرضیکہ لیبیا کو روس کی نقالی سے کچھ ہاتھ نہیں آیا۔ مگر وہ ہیں کہ پھر اسی سیفا جو ("عطار کے لونڈے") پر انحصار کر رہے ہیں۔ امریکی حملے کے بعد لیبیا کے وزیر اعظم عبدالسلام جالود نے کہا ہے کہ اب ہمارے لیے واحد چارہ کار یہ رہ گیا ہے کہ روس کے ساتھ باقاعدہ معاہدہ کریں۔ آل انڈیا ریڈیو کے مطابق انہوں نے روس کو فوجی اڈے دینے کی پیش کش بھی کی ہے۔

گذشتہ برس امریکہ کے سابق صدر نکسن نے اپنے ایک مضمون میں روس کو تعاون کی جو پیش کش کی تھی اور جس میں لکھا تھا کہ امریکہ اور روس کو ہاتھ ملا کر لیبیا سے لے کر ایران تک پھیلی ہوئی اسلامی "دہشت گرد" تحریکوں کا مقابلہ کرنا چاہیئے، یہ بات کسی مجذوب کی بڑ نہ تھی۔ یہ امریکی ڈپلومیسی کے ایک اہم ستون، سابق امریکی صدر کا نہایت اہم بیان تھا۔

نکسن نے رُوس کو خبردار کیا تھا کہ "مسلم بنیاد پرستوں" سے اُسے امریکہ کی نسبت زیادہ خطرہ ہے کہ اسلام کے بڑھتے ہوئے اثرات تیسری دُنیا میں کمیونزم کے لیے خطرہ ہیں اور خود روس کی ایک تہائی آبادی مسلمان ہے، اس سے بھی روس کو تشویش ہونی چاہیے [1]

لیبیا پر امریکی حملے اور روسی خاموشی نے یہ اشارہ دے دیا ہے کہ اسلامی تحریکوں کو ختم کرنے، اسلامی ممالک کو یکے بعد دیگرے بھڑانے اور اُن کی طاقت کو پارہ پارہ کرنے میں رُوس اور امریکہ ہاتھ ملا چکے ہیں۔ لیبیا، یمن اور افغانستان میں اس "تعاون" کی ابتدا ہو چکی ہے، اب یہ مسلمان مُلکوں اور اُن کے رہنماؤں کی بصیرت کا امتحان ہے کہ وہ باہم مل کر ایک قوت بنتے ہیں یا منتشر رہ کر دوسروں کے کاسہ لیس اور نشانۂ ستم!!

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ

(۲) بھارت

بابری مسجد کو "مندر" لکھتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے، لیکن ہندو شاونزم کی پرستار جماعتوں ہندو پریشد اور راشٹریہ سیوک سنگھ کو یہ کارنامہ انجام دے کر بھی قرار نہیں آیا۔ یہ تنظیمیں شمالی ہند کی تین سو مزید مساجد کی "ہٹ لسٹ" بنائے بیٹھی ہیں اور پورے بھارت میں تو ایسی مساجد کی تعداد ہزاروں میں ہے جن کو ہندو مستقبل کے مندر قرار دے رہے ہیں۔ خود بابری مسجد کا واقعہ بھی بھارت کی تاریخ میں انوکھا نہیں، اب تک سینکڑوں مساجد کے ساتھ ایسا ہو چکا ہے، لیکن بھارتی مسلمانوں کا احتجاج دبا دیا جاتا ہے یا کچھ عرصے تک چیخ چلا کر وہ خاموش ہو جاتے کے سوا کچھ کر نہیں سکتے۔

بھارتی مسلمانوں نے چھان پھٹک کے بعد جو اعداد و شمار بتائے ہیں، اُن کے مطابق صرف

---

[1] تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو، ترجمان القرآن (دسمبر ۱۹۸۵ء)۔

پنجاب اور ہریانہ کے صوبوں میں ایک ہزار سے زیادہ مساجد ایسی ہیں جن کو عبادت کے بجائے دوسرے مقاصد کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ بہت سی حکومت کے قبضے میں ہیں اور کوئی مسلمان وہاں نماز ادا کرنے کے لیے نہیں جا سکتا۔ مغربی بنگال کے دارالحکومت کلکتہ کی پچاس سے زائد مساجد پر غیر مسلموں کا قبضہ ہے، دو مسجدیں تو ایسی ہیں کہ وہاں مقامی کانگرس پارٹی کے دفاتر بنا دیئے گئے ہیں۔ دہلی کی ۹۲ مساجد پر تخریب کاروں کا تسلط ہے اور سینکڑوں محکمہ آثارِ قدیمہ کے قبضے میں ہیں۔ یہاں مسلمان نماز ادا نہیں کر سکتے۔ اگرچہ پورے ملک کی ایسی مساجد کا مسلمانوں کے پاس کوئی ریکارڈ نہیں[1] جو غیر مسلموں کے قبضے میں ہیں یا حکومت کے کنٹرول میں، لیکن سرسری سا جائزہ بھی یہ بتا سکتا ہے کہ ان کی تعداد ہزاروں میں ہے۔

ہندو انتہا پسند تنظیموں کا مزید مساجد پر قبضے کا جو منصوبہ ہے، اس کے جواز میں وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ تمام مساجد ماضی میں مندر تھیں۔ مغل بادشاہوں نے مندر گرا دیئے اور ان کے ملبے پر مساجد تعمیر کی گئیں، لہٰذا ہندوؤں کا اب ان پر حق ہے کیونکہ اب بھارت کے حکمران وہ ہیں۔

بھارت کے شمالی صوبے اتر پردیش کے تیرہ دیہات ایسے بھی ہیں، جہاں مسلمانوں کو نہ تو کوئی نئی مسجد تعمیر کرنے کی اجازت ہے اور نہ یہاں موجود مساجد میں عبادت کرنے کی اجازت۔ ضلع بریلی کے چھ گاؤں پروره، مجھوا، دیوچارہ، بہاریہ اور تورنگنجری — ضلع مراد آباد کی تین بستیوں لودھی پور، برہان پور اور بدور اور ان کے علاوہ حسن پور، محمد نگر اور اسلام نگر جیسی آبادیوں میں نئی مسجدیں تعمیر کرنے پر پابندی ہے۔ میرٹھ کی مالاگون مسجد اور گورکھپور چھاؤنی کی مسجد میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے۔ اتر پردیش کی ۲۶ مساجد کی فہرست راشٹریہ سیوک سنگھ کے پاس ہے۔ یہ تنظیم ان کو شہید کر کے وہاں مندر تعمیر کرنا چاہتی ہے۔

---

[1] ہماری آواز پہنچ سکے تو مسلمانانِ ہند کو تمام مساجد کی سروے رپورٹ تیار کر کے سامنے لانی چاہیے۔ (ادارہ)

اب ذرا ان مساجد کی ایک جھلک ملاحظہ ہو جن پر بھارت کی متعصب سرکار کا قبضہ ہے اور وہ بند ہے کہ چونکہ وہ تاریخی آثار ہیں اس لیے یہاں مسلمان نماز ادا نہیں کرسکتے :

	صوبہ	مساجد کی تعداد		صوبہ	مساجد کی تعداد
۱	آندھرا پردیش	۱۰	۷	مدھیہ پردیش	۱۵
۲	دہلی	۲۸	۸	پنجاب	۲
۳	گجرات	۱۱	۹	تامل ناڈو	۴
۴	ہریانہ	۶	۱۰	اتر پردیش	۱۱
۵	ریاست جموں و کشمیر	۲	۱۱	مغربی بنگال	۱۳
۶	کرناٹک	۱۶		میزان	۱۱۸

(۳) انڈونیشیا

انڈونیشیا میں مسلمانوں کو ہراساں کرنے، ان کے رہنماؤں اور ائمہ کو عدالتوں میں کھینچ کر لانے اور ان کی زبان بند کرنے کے لیے مختلف اقدامات کا سلسلہ جاری ہے۔ تازہ ترین واقعہ یونیورسٹی کے ایک استاد پروفیسر عبدالقادر جیلانی اور ان کے ساتھیوں کے خلاف مقدمہ ہے۔ ان حضرات کے خلاف بھی وہی الزامات ہیں : ؏

کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

جناب عبدالقادر کے خلاف فرد جرم پیش کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے کہا کہ انہوں نے بڑے بڑے اجتماعات میں لوگوں کو حکومت کے خلاف بغاوت پر اکسایا اور کہا کہ وہ قرآن و سنت کے منافی کوئی قانون قبول نہ کریں گے۔ چاہے وہ قانون پنتشیلا (ریاست کے پانچ اصول) ہی کیوں نہ ہوں۔ سرکاری وکیل نے کہا کہ جناب عبدالقادر جیلانی نے ریاست کے قانون کے بارے میں کہا کہ وہ غیر فانی نہیں ہے، کیونکہ وہ لوگوں کا بنایا ہوا ہے اور تبدیل ہوسکتا ہے۔ سرکاری وکیل نے پروفیسر عبدالقادر پر مزید الزام یہ عاید کیا

کہ انہوں نے ایک بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "افغان باغیوں کی طرح اپنے لہو سے تاریخ لکھیں"۔

عبدالقادر جیلانی (عمر ۴۴ سال) نے جہاں یہ تسلیم کیا کہ وہ قرآن و سنت کے خلاف قوانین کو تسلیم نہ کرنے کی تلقین کرتے رہے ہیں، وہاں انہوں نے ہمیشہ یہ بھی کہا ہے کہ جو قوانین قرآن و سنت کے خلاف نہ ہوں اُن پر عمل کرنا چاہیے اور یہ بات سرکاری وکیل نے حذف کر دی ہے۔ مقدمے کے دوسرے ملزم اُسامہ پر الزام ہے کہ اس نے ایسے نغمے ریکارڈ کرائے اور نغموں کے کیسٹ ہزاروں کی تعداد میں پھیلائے، جن میں لوگوں کو اسلام کی خاطر لہو نچھاور کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ ججوں کو اس فقرے پر سخت اعتراض تھا۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ خون کا عطیہ ریڈ کراس کو دیا جاتا ہے نہ کہ اسلام کو ــــ یہ مقدمات ابھی عدالت میں زیر سماعت ہیں۔

(۴) فلپائن

فلپائن کے آمر مارکوس کے زوال اور اکینو کے برسر اقتدار آجانے سے مورو مسلمانوں کے مستقبل کے بارے میں کچھ نئے امکانات اُبھرے ہیں۔ امکان ہے کہ مسلمانوں کے منتشر گروہ مشترکہ نصب العین کے لیے یک جا ہو جائیں۔ ہمارے خیال کے مطابق مسلمان قائدین کے لیے بہت زیادہ خوش فہمی میں مبتلا ہونے کا موقع نہیں، کیونکہ ۱۹۷۶ء میں ہونے والا معاہدۂ طرابلس انہیں ابھی تک یاد ہے۔ اس معاہدے میں مارکوس نے مورو محاذ آزادی سے وعدہ کر لیا تھا کہ اگر وہ جنگ روک دیں تو جنوب کے ۱۳ صوبوں پر مشتمل خود مختار اسلامی علاقہ بنایا جائے گا۔ جہاں مسلمان اپنے نمائندے براہ راست انتخابات کے ذریعے چن سکیں گے، ان کی اپنی حفاظتی فوج ہو گی، آزاد مالیاتی ادارے اور بنک ہوں گے اور تعلیم اور عدلیہ کے شعبوں پر ان کو کنٹرول حاصل ہو گا۔ لیکن جب اس معاہدے کے عملی نفاذ کا مرحلہ آیا تو حکومت مکر گئی۔ مارکوس ایک کے بجائے دو علیحدہ علاقے قائم کرنا چاہتا تھا اور ۱۳ کے بجائے ۱۰ صوبے دینے پر آمادہ تھا۔ اور حقوق و اختیارات کا دائرہ بھی معاہدے کے مقابلے میں محدود ہوتا۔ یہ پیش کش مورو مسلمانوں نے قبول نہ کی اور جنگ دوبارہ چھڑ گئی۔

چودہ برس کی مسلسل محاذ آزادی کے بعد مورو محاذ آزادی کے چیئرمین نور میسوری پہلی بار یہ کہتے سنائی دیئے ہیں کہ "وہ امن کے لیے ایک موقع پیدا کرنے کو تیار ہیں۔ ان کے قریبی دوستوں نے بھی کہا ہے کہ وہ آزادی مطلق کے مطالبے سے دست بردار ہو کر علاقائی خود مختاری کے پرانے معاہدے کی تجدید پر بات کر سکتے ہیں۔ غالباً یہ تبدیلی فکر اس بات کی غماز ہے کہ وہ اکینو سے بہتر توقعات رکھتے ہیں۔

مسز اکینو کو برسراقتدار لانے میں جہاں فلپائن کے دوسرے عوام نے بے مثال جدوجہد کی، وہاں مسلمانوں نے بھی ان کا بھرپور ساتھ دیا۔ بہت سے مسلمان رہنما اکینو کے پُرجوش سپورٹر رہے۔ ان کے لیے مظاہروں میں شریک ہوئے، ماریں کھائیں، زخمی ہوئے اور جیل گئے۔ اس لیے وہ بجا طور پر نئی حکومت سے مثبت امیدیں وابستہ کر رہے ہیں۔ مسز اکینو کی انتخابی جدوجہد کے دوران اُن کے حریف نے اُن پر یہ الزام بھی عاید کیا کہ وہ مسلمانوں کو ساتھ ملا کر انہیں مکمل آزادی دینے کی سازش کر رہی ہیں۔ اکینو نے اس الزام کی تردید کی، لیکن ان کے مقتول شوہر کے بھائی بٹز اکینو نے اعتراف کیا کہ جنوری میں اُن کے ساتھ باغی مسلمان لیڈروں کے مذاکرات ہوئے تھے۔ بٹز نے مسلمانوں کے لیے اپنے نیک جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

"مسلمان نِنوئے (مقتول اکینو) پر اعتماد کرتے تھے کہ اس نے اُن کی خاطر جدوجہد کی تھی۔ اپنی جلاوطنی کے دور میں وہ مسلمان لیڈروں سے ملتے رہے۔ مسلمانوں کا اکینو پر اعتماد مجھے وراثت میں ملا ہے ..... وہ بھی ناانصافی کا شکار رہے ہیں۔ اب اس تاریخی نقصان کی تلافی ضروری ہے۔"

بٹز نے اس سلسلے میں مسلمان رہنماؤں سے کئی ملاقاتیں کی ہیں، تاکہ حکومتی سطح پر کسی حل تک پہنچنے سے پہلے کوئی قابل عمل راہ تلاش کر لی جائے۔ رکاوٹ دو اہم معاملات پر ہے۔ ایک تو عیسائی اکثریت کے جزیرے بلاداں کو مسلم اکثریت کے علاقہ میں شامل کرنے سے عیسائی انتہا پسندوں کے شدید ردعمل کا سامنا ہے۔ دوسرے مسلمانوں کے لیے ان کی اپنی سیکورٹی فورس کا قیام۔ جو فلپائن کی مسلح افواج کے لیے ناقابلِ قبول ہے۔

ایک مشکل یہ ہے کہ فلپینی مسلمانوں کے حقوق کی جنگ لڑنے والے آزادی پسند تین گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ بڑے گروپ کے قائد نور میسوری کو اسلامی کانفرنس نے تسلیم کیا ہے۔ دوسرے دو گروپوں کے قائدین ہاشم اور عباس ہیں۔ نئے دور میں داخل ہونے کے بعد ان کے درمیان اختلافات کم ہونے کے امکانات بڑھ گئے ہیں۔ اگرچہ اُن کے مابین مسابقت اور اپنے گروپ کے مجاہدین کی تعداد کے سلسلے میں کیے جانے والے مبالغہ آمیز دعووں میں کمی نہیں آئی، لیکن حکومت سے مذاکرات کے سلسلے میں وہ مشترکہ لائحہ عمل اختیار کرنے پر آمادہ نظر آتے ہیں۔ مورو مسلمانوں کی سب سے بڑی کمزوری اُن کا سیاسی انتشار اور غیر منظم ہونا ہے۔ ان کے مقابلے میں عیسائی کہیں کہیں اقلیت میں ہونے کے باوجود زیادہ منظم اور زیادہ پڑھے لکھے لوگوں پر مشتمل ہیں۔ مثال کے طور پر جولو جزیرے میں نوے فیصد تعداد مسلمانوں کی ہے لیکن وہ غیر منظم ہیں جب کہ دس فیصد کیتھولک چرچ کے نام لیوا منظم ہیں۔ پھر مسلمانوں کے بچے عیسائیوں کے کالجوں اور اسکولوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

مورو مسلمان اس صورتِ حال سے کب آزاد ہوں گے؟ اس کا جواب تو مستقبل ہی دے گا البتہ یہ بات یقینی نظر آتی ہے کہ حکومت کو ان کے حقوق لوٹانے ہوں گے، ورنہ اُن کی جدوجہدِ آزادی کے نئے دور کا سامنا کرنا ہوگا۔ ابوالخیر الونتو جو ماضی میں مورو مسلمانوں کے اہم قائد رہے ہیں۔ اس کے بعد مارکوس کے حامی بنے، پھر اس کی وعدہ خلافی سے متنفر ہو کر مجاہدین سے جا ملے۔ مستقبل کے بارے میں اُن کی یہ رائے صائب معلوم ہوتی ہے:

"اب یہ اکینو پر ہے کہ وہ اپنے اخلاص کو ثابت کریں۔ صرف صباح میں دو لاکھ سے زیادہ مسلم مہاجرین موجود ہیں۔ ان کی اکثریت نوجوانوں پر مشتمل ہے اور یہ لوگ جنگ میں پروان چڑھے ہیں۔ یہ کسی مصالحت کے لیے تیار نہ ہوں گے اگر مسئلہ سیاسی طور پر حل نہ ہوا تو قومی محاذِ آزادی کے لیے رنگروٹوں کی بھرتی بھی کوئی مسئلہ نہیں۔"

بحث و نظر

نبی اکرمؐ کی صاحبزادیاں

(ادارہ)

ٹیلی وژن کے ایک پروگرام میں چند ہی روز پہلے یہ بات نشر ہوئی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صُلبی صاحبزادی ایک ہی تھیں ـــ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء۔ بقیہ تین بہنیں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پہلے شوہر سے تھیں۔

یہ بات نشر ہوئی اور محفلوں کا سرمایۂ بحث بن گئی۔ بے شمار ایسے لوگوں نے اسے سُنا جو نہ دین کا علم رکھتے ہیں، نہ نبی اکرمؐ کے بزرگوں، اقرباء اور ازواج و اولاد کے بارے میں ضروری معلومات رکھتے ہیں۔ ہزاروں نوجوانوں اور بچوں اور عورتوں کے ذہن میں یہ درس جڑ پکڑ گیا ہوگا۔ کئی لوگ ایک دوسرے سے اس بارے میں سوال کرتے ہیں۔

قومی ذرائع ابلاغ، خصوصاً ٹیلی وژن کے کارپردازوں کو دو باتوں کا خیال رکھنا چاہیے ایک یہ کہ جو بھی دینی یا تاریخی یا سوانحی امور بیان کیے جائیں وہ اس حد تک تحقیق شدہ ہوں کہ انہیں معروف اور متداول سمجھا جا سکے۔ دوسرے یہ کہ پاکستانی مسلم معاشرے کی اکثریت کے نقطۂ نظر سے اس کے جذبات کو ایک طرف رکھ کر کسی انوکھی اور متنازعہ بات کو عوام کے ذہنوں میں ایسے حتمی انداز سے نہیں ٹھونسنا چاہیے کہ وہ یہ سمجھیں کہ یہی حقیقتِ قطعی ہے۔

اگر کسی خاص اقلیتی گروہ کا نقطۂ نظر کسی معاملے میں پیش کرنا ہو تو واضح طور پر اس کی نسبت سے بیان کرنا چاہیے اور دوسری طرف کا اکثریتی نقطۂ نظر بھی واضح کر دینا چاہیے۔ کسی اقلیتی گروہ کے اختلافی نقطۂ نظر کا ایک مسلمہ ملی حقیقت کی حیثیت سے سامنے لانا عام لوگوں کا ذہنی استحصال

ہے ، یہ سمجھ کر کہ وہ ٹیلی وژن کے حکومتی ادارے کے قابو میں آئے ہوئے ہیں ، لہٰذا اُن کے ذوقِ تفریح پسندی سے فائدہ اُٹھا کر ایسی باتیں ان پر ٹھونس دی جائیں جو ان کے مسلک سے ٹکراتی ہیں - یہ بڑی زیادتی ہے - یوں تو یہ زیادتی ٹیلی وژن کے ثقافتی اور تفریحی پروگراموں میں بھی مختلف صورتوں میں کی جاتی ہے ، مگر دینی اور ملّی اُمور کے سلسلے میں ایسا رویہ بہت زیادہ افسوسناک ہے - ہماری رائے بہر حال یہی ہے کہ فرقہ وارانہ سطح کے مباحث سرے سے نہ اُٹھائے جائیں -

اس طویل تمہید کے بعد ہم اصل مسئلے کو لیتے ہیں - نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چاروں صاحبزادیوں کے متعلق اکابر اہل سنّت کا ہی نہیں ، بزرگانِ اہلِ تشیع کا بھی اجماع ہے [لہ] -

ایک مومن کے لیے تو بات اسی پر ختم ہو جاتی ہے کہ صریح نص قرآنی میں حضورؐ کی بنات کے لیے جمع کا صیغہ (تین یا تین سے زائد کے لیے) استعمال ہوا ہے - سورۂ الاحزاب کی آیت ۵۹ میں بات "یاایھا النبی" سے شروع ہوتی ہے اور کہا گیا ہے کہ قُل لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ ...... الخ - ازواجک بھی جمع ہے ، بناتک بھی جمع ہے اور نساء المومنین بھی جمع ہے - ازواج ، بنات اور ازواج المومنین کے ایک گروہ میں دوسرے کو شامل نہیں کیا جا سکتا ، کیونکہ قرآن نے انہیں الگ الگ کر دیا ہے - اگر "بناتک" میں کوئی نکتہ طرازجمع برائے تعظیم شمار کرے کہ واحد کی تکریم کے لیے جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے تو پھر یہی بات ازواج پر بھی منطبق ہو گی اور یہی نساء المومنین پر بھی - کیونکہ تینوں میں فرق کرنے والی کوئی چیز

لہ خوش قسمتی سے مولینا عبدالمالک صاحب شیخ الحدیث سے اس مبحث پر تبادلۂ خیال کرتے ہوئے ایک نہایت قابلِ قدر تحقیقی کتاب سامنے آئی جس کا نام "بنات اربعہ" ہے اور جسے مشہور عالم مولانا محمد نافع (مؤلف "رحماء بینھم") نے بڑی خوبصورتی سے قلمبند کیا ہے - اُردو میں یہ تحقیقی کام بڑا قابلِ قدر ہے اور مولینا محمد نافع تجزیۂ مسائل اور ان کی تفہیم کے لیے ایسے اسلوب سے کام لیتے ہیں کہ معمولی تعلیم یافتہ آدمی بھی بات سمجھ لیتا ہے - ہمارے کام میں آسانی ہوگئی کہ براہِ راست عربی کتب سے حوالے جمع نہیں کرنے پڑے ، بلکہ تیار مواد سے استفادہ کرکے یہ مضمون لکھا گیا (ر - ص)

موجود نہیں - پھر اصول یہ ہے کہ نص سے اگر کوئی صریح مفہوم سامنے آجائے تو پھر کوئی دوسرا استنباطی مفہوم اخذ کر کے اس کی جگہ نہیں لیا جا سکتا -

آیئے علمائے انساب کی شہادتیں دیکھیں -

۱- طبقات ابن سعد میں ہے کہ (ترجمہ) نبوت سے پہلے مکہ شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں آپ کے پہلے فرزند قاسم پیدا ہوئے اُن کے ساتھ آنجناب ؐ کی کنیت ابو القاسم جاری ہوئی - پھر جناب کی صاحبزادی زینب پیدا ہوئیں ، پھر صاحبزادی رقیہ ، پھر فاطمہ ، پھر ام کلثوم ، پھر اسلام کے دور میں آپ کے صاحبزادہ عبداللہ متولد ہوئے - انہی کو طیب و طاہر کہا جاتا ہے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اس ساری اولاد کی والدہ ماجدہ سیدہ خدیجہ بنت خویلد بن اسد (رضی اللہ عنہا) ہیں -

— طبقات ابن سعد جلد اول قسم اول - ص ۸۵ - تحت ذکر اولاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و تسمیتہم -

— طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۱۵۶ - تحت ذکر عدد ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم -

۲— قدیم علمائے انساب میں سے المصعب زبیری (م ۲۳۶ ھ) نے لکھا کہ (ترجمہ) حضرت خدیجہ بنت خویلد کے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو صاحبزادے ایک القاسم اور ایک طاہر و طیب عبداللہ — بعد از نبوت پیدا ہوئے ، صغر سنی میں ہی وفات پا گئے - فاطمہ ، زینب ، ام کلثوم اور رقیہ بھی پیدا ہوئیں - (رضوان اللہ علیہم اجمعین) -

— نسب قریش — للمصعب زبیری - تحت ولد اسد بن عبد العزیٰ -

۳— ابو جعفر بغدادی (۲۴۵ ھ) فنِ نسب کے ماہر ہیں - اپنی مشہور تصنیف المحبّر میں لکھتے ہیں (ترجمہ) جناب رسولِ کریم کے ہاں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ سے

القاسم، زینب، ام کلثوم، فاطمہ اور عبداللہ جن کا نام الطاہر والطیب ہے پیدا ہوئے[۱]

۱ ــــ کتاب المحبر ص ۷۹ ـ تحت ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ـ طبع اول ـ دکن

۴ ــــ فن انساب کے ایک اور عالم ابن قتیبہ دینوری (م ۲۷۶ ھ) لکھتے ہیں:

(ترجمہ) سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد شریف حضرت خدیجہؓ سے ہوئی تھی: ابو القاسم، انہی کے نام سے آپ کی کنیت ابو القاسم تھی، طاہر وطیب، فاطمہ، زینب، رقیہ اور ام کلثوم ــــ صاحبزادہ ابراہیم ماریہ قبطیہ سے تھے۔ (رضوان اللہ علیہم اجمعین)۔[۲]

۲ ــــ المعارف ـ ابن قتیبہ ـ ص ۱۰۶ ـ تحت اولاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۵ ــــ تیسری صدی کے عالم انساب احمد بن یحییٰ بلاذری (م ۲۷۹ ھ) تحریر فرماتے ہیں: (ترجمہ) خدیجہ سے آنجناب کے صاحبزادے قاسم بن رسول اللہ پیدا ہوئے۔ اس کے بعد حضرت کی صاحبزادی زینب متولد ہوئیں۔ پھر خدیجہ سے آنجناب کی صاحبزادی رقیہ پیدا ہوئیں۔ بعد ازاں خدیجہ سے آنجناب کی صاحبزادی ام کلثوم پیدا ہوئیں۔ آخر میں حضرت خدیجہ کے بطن سے فاطمۃ الزہرا پیدا ہوئیں (بلاذری نے سب کے احوال کی تفصیل درج کی ہے)[۳]

۳ ــــ کتاب انساب الاشراف ـ جلد ۱ ـ ص ۳۹۶، ۳۹۷ ــ ۴۰۱، ۴۰۲ تحت ازواج رسول صلی اللہ علیہ وسلم وولدہ ـ

۶ ــــ اب ابن حزم اندلسی کی شہادت بھی ملاحظہ فرمائیں:

(ترجمہ) نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چار صاحبزادیاں تھیں۔ زینب سب سے

---

[۱] غالباً کاتب یا ناقل کی ایک فروگذاشت ہے کہ حضرت رقیہ کا نام چھوٹ گیا ہے۔ لیکن اسی مصنف کی اسی کتاب میں ص ۴۰۶ پر بنات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں میں حضرت رقیہ کا نام موجود ہے۔

بڑی تھیں، ان کے بعد رقیہ، ان کے بعد فاطمہ، ان کے بعد ام کلثوم، آنجناب کی تمام اولاد ابراہیم کے بغیر خدیجۃ الکبریٰ سے تھی۔

—جمہرۃ انساب العرب۔ ص ۱۶۔ تحت ہذا النسب عبداللہ بن عبدالمطلب۔

اب ذرا ہمارے شیعہ بزرگوں اور اکابر کی شہادتیں بھی ملاحظہ ہوں:

۱—اصولِ کافی وہ کتاب ہے جسے امام غائب کی تصدیق حاصل ہے۔ اس کے مصنف محمد یعقوب کلینی رازی لکھتے ہیں:

(ترجمہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدیجہ کے ساتھ نکاح کیا۔ اس وقت آنجناب کی عمر ۲۰ سال سے زیادہ تھی۔ پھر خدیجہ سے جناب کی اولاد بعثت سے پہلے یہ پیدا ہوئی: قاسم، رقیہ، زینب اور ام کلثوم اور بعثت کے بعد آپ کی اولاد طیب طاہر اور فاطمہ پیدا ہوئیں۔ (رضی اللہ عنہم)

—اصول کافی ص ۲۷۹۔ کتاب الحجۃ، باب مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم طبع نولکشور۔

۲—مرأۃ العقول شرح اصول (عربی) از ملا باقر مجلسی اور "الصافی شرح الکافی" از ملا خلیل قزوینی، وغیرہ شارحین نے بھی اس بات کی تائید میں لکھا ہے۔

۳—اصول اربعہ کے مصنف شیخ صدوق ابن بابویہ القمی نے اپنی مشہور تصنیف کتاب الخصال میں یہ مسئلہ بار بار ذکر کیا ہے۔ امام جعفر بن صادق نے نقل کیا ہے کہ:

خدیجہؓ سے رسولِ کریم کی یہ اولاد پیدا ہوئی: قاسم، طاہر، انہی کو عبداللہ کہتے ہیں ام کلثوم، رقیہ، زینب اور فاطمہ (رضی اللہ عنہم)۔ پھر علی ابن علی طالب نے فاطمہؓ سے نکاح کیا اور ابوالعاصؓ بن ربیع نے جو بنی امیہ میں سے ایک شخص تھا، زینبؓ کے ساتھ نکاح کیا۔ اور عثمان بن عفان نے ام کلثومؓ سے نکاح کیا۔ رخصتی ابھی نہیں ہوئی تھی کہ ام کلثومؓ فوت ہوگئیں۔ پھر جب غزوۂ بدر کی طرف چلنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمانؓ کو رقیہؓ نکاح میں دے دی۔

—کتاب الخصال للشیخ الصدوق ص ۳۷۵۔ باب السبعہ۔

شیخ موصوف نے ایک مقام پر خود آنحضورؐ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ تحقیق اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس عورت میں برکت دی ہے جس کے لطن سے بہت اولاد پیدا ہو۔ اور جو اپنے زوج اور اولاد کے ساتھ محبت رکھنے والی ہو۔ اور اللہ تعالیٰ خدیجہؓ پر رحم فرمائے کہ اس کے لطن سے میری اولاد ہوئی۔ طاہرؓ جس کو عبداللہ کہتے ہیں اور وہی مطہر ہے، اور خدیجہؓ سے میرے ہاں قاسمؓ، فاطمہؓ، رقیہؓ ام کلثوم اور زینبؓ پیدا ہوئیں۔

اِن دو تین اقتباسات کو پیش کرنے کے بعد ہم شیعہ بزرگوں کی ان کتب کے صرف حوالے درج کرتے ہیں، جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیوں کا وجود ثابت ہوتا ہے:

۱۔ شیخ صدوق کی کتاب امالی کی مجلس ۶۷۔ ص ۳۶۲۔

۲۔ عبداللہ المامانی۔ جلد ۳ ص ۷۹ ۔ من فضل النساء۔ تحت زینب بنت رسول اللہؐ

۳۔ منتہی المقال۔ از ابوعلی۔ ص ۳۴۳۔

۴۔ عبداللہ بن جعفر الحمیری القمی کی کتاب "قرب الاسناد" میں امام محمد باقر سے امام جعفر صادق کی روایت۔ ص ۶۔ تحت ذکر اولاد نبوی۔ مطبوعہ ایران۔

۵۔ مشہور شیعہ مؤرخ یعقوبی نے اپنی کتاب تاریخ یعقوبی میں حضورؐ کی اولاد جو حضرت خدیجہؓ کے لطن سے ہوئی۔ وہ جلد ۲، زیر عنوان تزویج خدیجہ بنت خویلد ص ۲۰ پر اس کی تفصیل لکھی ہے۔

۶۔ دوسرے شیعہ مؤرخ مسعودی نے "مروج الذہب" جلد ۲، تحت امور واحوال من مولدہ اِلیٰ وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۲۹۸ پر اولادِ حضورؐ از لطنِ خدیجہؓ کا ذکر کیا ہے۔

۷۔ مشہور شیعی کتاب نہج البلاغہ جسے حضرت علی مرتضیٰؓ کا کلام سمجھا جاتا ہے۔ اس میں حضرت علی مرتضیٰؓ، حضرت عثمان بن عفانؓ کو خطاب کر کے ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ آپ نے نبی پاکؐ کے ساتھ دامادی کا شرف پایا ہے، جسے ابوبکرؓ و عمرؓ نہیں

پڑ سکے۔ ملاحظہ ہو: جلد ۱۔ ص ۳۰۳۔
نیز ترجمہ و شرح نہج البلاغہ از فیض الاسلام سید علی نقوی۔ جلد ۳، ص ۵۱۶ تا ۵۱۹۔

۸۔ علی ہذا القیاس شیخ مفید کی کتاب الارشاد، علی بن عیسیٰ اربلی کی کتاب کشف الغمۃ فی معرفۃ الائمہ، شیعہ محدث سید نعمت اللہ جزائری کی کتاب الانوار النعمانیہ، محمد ہاشم بن محمد علی خراسانی کی "منتخب التواریخ" وغیرہ میں حضورؐ کی چاروں صاحبزادیوں کے لیے شہادت موجود ہے۔

"بنات الاربعہ" میں اُن چھوٹے چھوٹے اُمور پر بھی بحث کی گئی ہے۔ جو مناظرہ پسند لوگ لفظوں کے ہیر پھیر اور روایتوں کی صحت و عدمِ صحت کے متعلق نکتہ آفرینی کے طور پر اُٹھاتے ہیں۔ فی الحقیقت اس طرح کے شوشے کم علم لوگوں کے ذہنوں کو پراگندہ کرنے کے لیے چھوڑے جاتے ہیں۔ جن کو یہ مشغلہ پسند ہو وہ ضرور اس میں مصروف رہیں، مگر قومی ذرائع ابلاغ خصوصاً سرکاری ٹیلی وژن کو ایسے مشغلوں کے لیے استعمال نہ کریں۔

رسائل و مسائل

تحقیقِ دلائل، تقلیدِ ائمہ اور عام آدمی

شیخ الحدیث مولانا عبد المالک صاحب ۔ منصورہ ۔ لاہور

سوال: ۔ دیوبندی حضرات کہتے ہیں کہ کسی ایک امام کی پیروی لازمی ہے، خواہ کوئی سا امام ہو ۔ یعنی امام ابوحنیفہؒ ہوں، امام مالکؒ ہوں، امام شافعیؒ یا امام احمد بن حنبلؒ ۔ اور اگر ایک معاملہ میں کسی ایک امام کی اور کسی دوسرے معاملے میں کسی دوسرے کی پیروی کی جائے تو یہ غلط ہے ۔

جماعت کا لٹریچر پڑھ کر میں یہ موقف صحیح سمجھا ہوں کہ کسی ایک امام کی پیروی لازمی نہیں ۔ اگر ایک امام کو مخصوص کر کے انہی کی پیروی کریں گے اور اندھی تقلید کریں گے تو یہ صحیح نہیں ۔ اور تبلیغی جماعت والے تو کہتے ہیں کہ مذہب میں عقل کو دخل ہی نہیں ۔

میرا موقف یہ ہے کہ اندھی پیروی سے تو بات اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ والی ہوگی ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ پر گرفت کی تھی کہ تم نے اللہ کے سوا کچھ دوسرے خدا بنا لیے ہیں ۔

ان امور کی وضاحت فرما کر مشکور فرمادیں ۔

جواب: ۔ آپ کی اس رائے سے اتفاق ہے کہ کسی ایک امام کی تقلید کی قسم کھا بیٹھنا ٹھیک نہیں ہے ۔ جو شخص کتاب و سنت اور فقہاء کی تحقیقی آرا کا گہرا علم رکھتا ہے اسے تو عملاً اس سے سابقہ پیش آسکتا ہے، بلکہ آتا ہے کہ وہ مختلف آراء میں سے کسی ایک

اور سلف سے رائے نہ ملنے کی صورت میں اپنی تحقیق پر عمل پیرا ہو، لیکن ظاہر ہے کہ اس طرح کے اہلِ علم کا دائرہ محدود ہے۔ عام آدمی کو تو کسی ایسے صاحبِ علم کی طرف رجوع کرنا پڑے گا جس کے علم پر اُسے اعتماد ہو۔ اور یہ بات آپ جانتے ہیں کہ اُمتِ مسلمہ کے بہت بڑے حصّے کو اپنے اپنے علاقے کے ائمہ اربعہ پر اپنے دور میں اعتماد ہو گیا اور اس کے بعد یہ اعتماد اب تک قائم ہے۔ اس دور میں جو شخص حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی عالم کی طرف رجوع کرتا ہے، وہ دراصل ائمہ اربعہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ان ائمہ پر اعتماد اُن کے علم اور تقویٰ کے زور پر قائم ہوا ہے اور قائم ہے۔ اسے آپ تقلید کا نام دیں یا کچھ اور، یہ شریعت کے مطابق ہے۔ امام غزالی نے المستصفیٰ میں اسے "استفتا" کا نام دیا ہے اور اس طریقہ پر صحابہ کرام کا اجماع نقل کیا ہے۔ صحابہ میں سے جو زیادہ علم نہیں رکھتے تھے۔ وہ اہلِ علم صحابہ کی طرف رجوع کرتے تھے اور ان سے جواب لینے کے بعد دلائل کا مطالبہ نہیں کرتے تھے۔ آج بھی ہر مسلک کے امام (مسلکِ اہلِ حدیث سمیت) اہلِ علم کی طرف رجوع کرتے ہیں اور جسے جس کے علم پر اعتماد ہوتا ہے وہ ہر مسئلے میں اس سے جواب کے ساتھ دلائل کا مطالبہ نہیں کرتا[1] اور نہ ہی ہر شخص یہ

[1] امام یا عالم کے اعتماد کا اس بحث میں مطلب یہی ہے کہ وہ معروف حیثیت سے مسائل حقیقی کو نص پر مبنی کرتا ہو اور استدلال سے کام لیتا ہو۔ اس پر اُس کی کتابیں، اس کے شاگرد، اس کے مواعظ اور اس کے درس گواہ ہوں۔ ایسے اعتماد کے بغیر نہ دین کا کام چل سکتا ہے اور نہ دُنیا کے بہت سے اُمور انجام پا سکتے ہیں۔ اگر ہر شخص ایک ایک معاملے میں جس کسی سے بات کرے اُس سے دلائل طلب کرتا رہے تو ایسی صورت میں جو مشکل پیش آئے گی اُسے تو الگ رکھیے، سوال یہ ہے کہ کیا ہر شخص میں دلائل کو پوچھنے، سمجھنے، ان کا تجزیہ کرنے، اُن پر تنقید یا اُن کی تردید کرنے کا ملکہ ہو سکتا ہے؟ اور کیا ہر شخص لغت، گرامر، فنِ تفسیر، فنِ حدیث اسماء الرجال وغیرہ کا عالم ہو سکتا ہے۔ قابلِ عمل معروف طریقوں کو چھوڑ کر محض حجت کھڑی کرنے سے تو بات نہیں بنتی۔ لاکھوں، کروڑوں دیہاتی اور ان پڑھ اور کم خواندہ لوگوں کے لیے عملی راستہ بتایئے (ایڈیٹر)

صلاحیت رکھتا ہے کہ دلائل کے حُسن و قبح کو سمجھ سکے۔ اس لیے تحریکِ اسلامی کا لٹریچر جہاں ایک طرف اس جمود کو توڑتا ہے کہ کسی ایک امام کی ہر بات کو قبول کرنا ضروری ہے وہیں وہ اس حقیقت کا بھی اعتراف کرتا ہے کہ جس کسی کو کسی عالم یا امام یا استاد کے تبحرِ علمی پر زیادہ اعتماد ہو وہ اس کی رائے پر اعتماد کرے۔ بشرطیکہ اس مسئلہ میں اس کی اپنی کوئی علمی تحقیق نہ ہو یا وہ تحقیق کا اہل نہ ہو۔ اس باب میں اصل بات اس سے زیادہ نہیں ہے لیکن یہ بات افسوسناک ہے کہ طرفین نے غلو کا راستہ اختیار کر کے بلاوجہ محاذ آرائی کی صورت پیدا کر دی ہے۔ اس سلسلہ میں میری رائے یہ ہے کہ اہلِ حدیث علماء سے یہ کہا جائے کہ اپنی تحقیق پر عمل کریں، اس کی اشاعت و تبلیغ کریں اور جو لوگ ان کی تحقیق پر اعتماد کرتے ہوں وہ ان کی تحقیق پر عمل کریں۔ ائمہ کی جس بات سے انہیں اختلاف ہو اسے بیان کریں اور اس کے خلاف دلائل دیں اور اس پر عمل نہ کریں لیکن عمومی فتویٰ بازی سے پرہیز کریں اور یہ نہ کہیں کہ ان کے سوا باقی لوگ کتاب و سنت کی بجائے ائمہ کے پیرو ہیں۔ درانحالیکہ اہل حدیث اور مقلدین دونوں کا مقصد کتاب و سنت کی پیروی ہے اور اس لحاظ سے دونوں میں اصولاً کوئی فرق نہیں ہے۔ فرق اس سے آگے اس اصول پر عملاً پورا اترنے میں ہو سکتا ہے اور اس باب میں بھی اہل حدیث کو یہ حق ہے کہ وہ یہ دعویٰ کریں کہ وہ قرآن و حدیث پر عملاً پورا اترتے ہیں اور حنفیوں اور شافعیوں کو بھی حق ہے کہ وہ اس کا دعویٰ کریں۔ اور اس طرح اپنی اپنی راہ کو صواب سمجھتے ہوئے اس پر گامزن ہوں۔ اس طرح یہ اختلاف فروعی اختلاف قرار پاتا ہے اور میری رائے میں یہی اس کی حقیقت ہے اسے اس سے زیادہ حیثیت دینا غلو فی الدین ہے۔

آپ کے دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے حلقہ ہائے اثر فطری طور پر قائم ہوئے ہیں جس علاقے میں انھوں نے علمی اور دینی خدمات سرانجام دیں اس علاقے کے لوگ ان کے تبحر علمی، تقویٰ اور ورع سے متاثر ہوئے اور اس طرح سے ان کی فقہیں ان علاقوں میں رائج ہو گئیں۔ اس لیے جو شخص جس امام کے حلقۂ اثر

میں ہے اور اس کا ضمیر اس پر مطمئن ہے۔ اس کے لیے خواہشِ نفس اور ذاتی مفادات کی بنا پر اس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ وہ اس کی رائے کو چھوڑ کر دوسرے امام کی رائے پر عمل کرے۔ لیکن اہلِ علم دینی اور اجتماعی مصالح اور دلائل کی قوت کی وجہ سے دوسرے امام کے قول پر فتویٰ دے سکتے ہیں۔ جیسے کہ لاپتہ ہو جانے والے شخص کی بیوی کے لیے مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دور کے علماء سے مشاورت کے بعد فقہ حنفی کے بجائے فقہ مالکی کے مطابق فتویٰ جاری کیا۔ اور اب تمام حنفی علماء اسی مسئلہ میں فقہ حنفی کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں۔

۲۔ تبلیغی جماعت والے ہی نہیں، دوسری دینی جماعتیں بھی یہ نظریہ رکھتی ہیں کہ دین کی بنیاد وحی پر ہے۔ اور دین کا ایک حصہ تو ایسا ہے جس کا ادراک عقل کر ہی نہیں سکتی مثلاً نماز کی رکعتوں کی تعداد۔ اموال زکوٰۃ، ان کا نصاب اور ادائیگی کی مقدار، حج کے لیے میدانِ عرفات میں مقررہ تاریخ پر وقوف کرنا وغیرہ۔

اور بعض چیزیں ایک درجہ میں عقلی ہیں جیسے توحید، سچ بولنا، جھوٹ سے پرہیز کرنا، ظلم نہ کرنا وغیرہ لیکن ان کی تفصیلات اور ان کا صحیح اور کامل علم وحی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

مطبوعات

نسیم مینا نعتیہ مجموعہ جناب راسخ عرفانی - ناشر: مکتبۂ نورادب، چوک نیا میں، گوجرانوالہ
صفحات: سوا سو سے اُوپر - سفید کاغذ، کتابت وطباعت پسندیدہ - مجلد قیمت - ۳۰/ روپے

راسخ عرفانی ہمارے دَور کے بزرگ شاعر ہیں جن سے میری راہ ورسمِ نیاز برسوں سے ہے - وہ جوں جوں بزرگ ہوتے گئے اُن کی شاعری جوان تر ہوتی گئی - پیش نظر مجموعۂ نعت ان کے کلام کا تیرھواں مجموعہ ہے - ان کے فن کا ایک سرا نعت اور دوسرا غزل ہے - مگر کیا مجال کہ غزل ہزار بلندیٔ خیال اور نزاکتِ آہنگ اور اشاراتِ رمزِ لطیف کے باوجود ایسا رنگ اختیار کرے کہ یہ بدگمانی ہونے لگے کہ یہ شاعر نعت گو نہیں ہو سکتا - اور نہ ان کی نعت گوئی کی سدرہ پرواز یاں ایسے فوق البشری اسلوب کی کہ کسی کو شبہ ہو کہ اس شاعر کے دماغ میں غزل پرورش نہیں پا سکتی - ایسے سچے نعت گو بہت کم ہیں جن کی غزلوں میں بھی پاکیزگی وشائستگی اتنی ہو کہ اگر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بھی پڑھنی پڑے تو اُن کو کعب بن زہیر کا سا مقام ملے - ایسے ہی شاذ قسم کے شعرا میں سے ایک راسخ عرفانی ہیں - بایں سبب میں اُن کا بڑا احترام کرتا ہوں - نعتیہ مجموعہ کے لیے نام تلاش کرنا مشکل ہو گیا ہے - مگر عرفانی صاحب نے بالکل نئی طرز کا نام ڈھونڈ نکالا -

پھر یہ بھی نہیں کہ ان کی شاعری بس یونہی "فاعلاتن فاعلات" ہو، ان کے ہاں سوز ساز آرزو مندی ہے - ان کے پاس سرمایۂ شعور واحساس ہے، وہ مطالعہ ومشاہدہ رکھتے ہیں ان کے ذہنی افق پر تخیلات — قوس قزح کی رنگین دھاریوں کی طرح نظر آتے ہیں - وہ اپنے خیالات کا رشتہ بہترین الفاظ اور اسالیب سے جوڑتے ہیں - روایتی نعت سے

نو اکثر شعراء نکل آئے ہیں، مگر راسخ صاحب اپنی جدید تر نعت گوئی میں ایک ذاتی امتیازی مقام رکھتے ہیں۔ کتاب کے فلیپ پر احمد ندیم قاسمی، محشر بدایونی اور حافظ لدھیانوی کے اجمالی تاثرات کے علاوہ نعت گوئی کے جواں سال استاد جناب حفیظ تائب کی تحریر پیشوائی کے عنوان سے بطور اعتراف موجود ہے۔ اب میں اور کیا کہوں! ابتداء حمدیہ کلام سے ہوتی ہے۔ دو شعر ؎

رات کی جھیل میں جب آس کے تارے ڈوبیں مشعلِ زہد کو تنہائی کا دمساز کروں
سخن کے پھول چُنیں، حمد ذوالجلال کہیں خدا کے نام کو تحریر کا جمال کہیں!

نعت کے بھی دو شعر ؎

مہرِ فاراں، مہِ نور، خیر البشر مرکزِ خُلق اعلیٰ، وسیع النظر
فکر پرواز سے عاجز ہے، قلم قاصر ہے کیا اندھیرے سے لکھی جائے ضیا کی تعریف

نعت میں محبت اور ادب دونوں کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنے والے اس شاعر کی کاوشوں کا مطالعہ ایمان و کردار کو بلند کر دے گا۔

صَلِّ علیٰ محمدٍ نعتیہ مجموعہ از جناب خواجہ عابد نظامی۔ ناشر: مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور
خوب صورت طباعت۔ مجلد اور دلکش گرد پوش، صفحات: ۱۶۰۔ قیمت: ۳۹/ روپے

اللہ تعالیٰ کی قدرت پر میں حیران ہوں کہ اس نے دنیائے شعر میں ہمارے یہاں نعت کا باب ایسے کھولا ہے کہ صفِ اول کے نعت نگاروں کے علاوہ، صف دوم کے اچھا لکھنے والوں کی بھی بڑی کثرت ہے۔ اور نہ صرف تمام رسائل میں ذکرِ نبیؐ کا دور چل رہا ہے بلکہ مسلسل قابلِ قدر مجموعے شائع ہو رہے ہیں۔

اب سامنے مجموعہ عابد نظامی صاحب کا ہے جو مدت سے میرے عزیز دوست ہیں۔ کئی سال سے عابد صاحب شعر و شاعری کرتے رہے ہیں جس میں ہمیشہ نعت اور ملی نغموں کا غلبہ رہا ہے۔ مدت سے وہ نعتیہ مشاعروں میں بلوائے جاتے ہیں۔ اور ان کا کلام ضیائے حرم اور دوسرے رسائل میں شائع ہوتا ہے۔ ان کے نعتیہ کلام کا ایک شاندار مجموعہ "صلِّ علیٰ محمدؐ" ہے۔ نام تلاش کرنے کی منزل کو عابد صاحب نے بھی خوب سر کیا ہے۔ احمد ندیم قاسمی، حفیظ تائب،

طالب ہاشمی، پروفیسر محمد منور، مولینا طاہر القادری، جسٹس پیر کرم شاہ ازہری کی حقیقت نما آرا کے علاوہ جناب عبد المتین عارف کا مختصر مقدمہ مجموعہ کی قدر و قیمت کی بدیہی شہادتیں ہیں۔ ان اکابر نے ہمارے کہنے کے لیے تو کوئی بات چھوڑی ہی نہیں۔ ہم تو صرف آمین ہی کہہ سکتے ہیں۔ البتہ عابد صاحب کے دو نعتیہ شعر عرض ہیں:

اُس سرزمینِ نور کی اللہ رے عظمتیں | اُس سرزمیں کے ذرّوں میں شمس و قمر ملے

ہے سوا نیزے پہ خورشیدِ بلا | چاہتے ہیں سایۂ دیوار ہم

ملاقاتیں از رفیق ڈوگر۔ ناشر: دید شنید پبلیکیشنز، ۱۱۹ استقلال بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن۔ لاہور۔ صفحات ڈیڑھ سو کے قریب۔ کاغذ اور طباعتی معیار بہت اچھا۔
قیمت مجلد -/۷۰ روپے۔

رفیق ڈوگر ان نوجوان ذہین صحافیوں میں سے ہیں جن کی سوچ سچار اور ادبی و صحافتی نقش و نگار میں خیر کے غلبے کی امید رہتی ہے۔ مولینا مودودیؒ سے ان کا ربط محض ایک پیشہ ور صحافی کی حیثیت سے نہ تھا۔ بلکہ محبت کی کرن بھی ان کے دل میں موجود تھی اور ہے۔ اس حقیقت کی گواہی یہ کتاب "ملاقاتیں" دیتی ہے۔ مولینا کے متعلق بہت لوگوں نے مختلف انداز اور سطح کی چیزیں لکھیں۔ ڈوگر صاحب کا مواد اور اسلوب سب سے الگ ہے۔

بڑے لوگوں، خصوصاً دینی مقام رکھنے والوں کے متعلق چھوٹی چھوٹی روزمرہ کی باتوں کی رپورٹنگ اگرچہ مزاہمت دیتی ہے اور اگر طباعت میں ایسی چیزیں لائی جائیں تو بہت بکتی ہیں، مگر ہر چیز کو "مارکیٹ" کے لحاظ سے نہیں لینا چاہیے۔ بعض چھوٹی باتوں کی رپورٹنگ غلط بھی ہو سکتی ہے، آدمی کے فہم مقصد میں کوتاہی بھی ہو سکتی ہے۔ ایک شخص بے تکلفانہ تفریحی انداز میں بہت سی باتیں بطور لطیفہ (میں یہ لفظ اپنے اصل معنوں میں استعمال کر رہا ہوں) کہہ جاتا ہے اور وہ توقع نہیں رکھتا کہ اس کو ریکارڈ کیا جائے گا۔

کیونکہ ریکارڈ کرنے کی صورت میں پورا ماحول اور مقصد ریکارڈ میں نہیں آسکتا۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ کسی اہم "شخصیت" کو بہت زیادہ قریب سے مسلسل جاننے والے چند افراد کے لیے بھی یہ بہت نازک ذمہ داری ہوگی۔ چھوٹی چھوٹی باتیں بیان کرتے ہوئے نادانستہ طور پر ہم ایک شخصیت کی تصویر کھینچ رہے ہوتے ہیں۔ اس تصویر کا اگر کوئی جز بھی خلافِ حقیقت بن جائے تو گویا قرض ادا نہ ہوا۔ بلکہ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اہم شخصیتوں سے اگر چھوٹی موٹی کوئی بات غیر محتاط قسم کی سرزد بھی ہو جائے تو اس کو آگے نہیں چلانا چاہیے، خصوصاً اس صورت میں جب کہ اس شخصیت کی شروع کردہ کوئی تحریک و تنظیم آگے چل رہی ہو۔ مثلاً عام سی مجلس میں ضیاء الحق اور بھٹو کے متعلق مولینا کی سرسری باتیں لانے کی کیا ضرورت تھی۔ ان کے بیانات کو اصل اہمیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں مجذوب صوفیا کی بہت سی باتوں کو "شطحیات" کہہ کر خارج از بحث کر دیا جاتا رہا ہے[1]

---

[1] ایک مثال یہ دیکھیے کہ تصویر کریڈٹس کے عنوان سے جو رپورتاژ ہے اس میں بات کے ایک فریق محمد فاروق صاحب ہیں، دوسری طرف معاملہ مولینا سے ہے۔ پوری بات پڑھ کر سارے معاملے میں کچاپن محسوس ہوتا ہے۔ اسی طرح کراچی کے فلم میکر کا قصہ ایک فلمی ایکٹر کا سامنے آتا ہے۔ ایک سنجیدہ شخصیت ان قصوں کی لپیٹ میں آکر کسی قدر بدلے ہوئے خدوخال میں دکھائی دیتی ہے۔ مولینا کے شخصیت نگار کو شخصیت کی فوٹوگرافی (بلکہ مصوری) بڑی احتیاط سے کرنی چاہیے۔ اور آس پاس اڑنے والے غبار کو اس کے چہرے کا جزو نہیں بنا دینا چاہیے۔

اسی طرح مولانا کا یہ پرائیویٹ ریمارک کہ "یہ تو کتابیں بیچ کے کھانے والے ہیں" برسرعام آکر اچھا نہیں لگتا۔ ص ۷۶ کے وسط سے ۷۷ کے وسط تک کی باتیں اڑتے ہوئے تنکوں کی طرح ہیں۔ ان کا مولینا سے کیا تعلق۔ ص ۸۴ پر اخباری طرز کی سرخی ہے کہ "مولینا ریس کھیلنے کے لیے رقم دیتے رہے" حالانکہ بات صرف اتنی تھی کہ بٹ صاحب کی گفتگو سے پیدا ہونے والے اس شبہے کے باوجود مولینا سائل کے متعلق اپنے علم کی بنیاد پر مدد دیتے رہے۔

بہت سے اصحاب اس امر کے گواہ ہیں کہ مولینا بطور تفنن کئی باتیں کہہ کر ساتھ فرماتے کہ یہ پبلسٹی کے لیے نہیں ہے۔

میں ڈوگر صاحب کے لیے بہت محبت بھرا احترام رکھتے ہوئے کہہ رہا ہوں کہ سچ ضرور بولنا چاہیے، مگر ضروری نہیں ہوتا کہ ہر سچ کو لازماً بولا جائے۔ مثلاً یہ کہ کسی نے حقو کا ہو تو اُس کے حقو کرنے کا ذکر کرنا کوئی فرض تو نہیں۔ یا چھینک یا جماہی آئی ہو تو اسے ریکارڈ پر لانا کوئی لازم تو نہیں۔

اس معاملے میں میں کسی چیز کی خاص طور پر نشان دہی کرنا مناسب اور ضروری نہیں سمجھتا۔ بات صرف سوچ بچار کی ہے۔ اعتراض بھی مطلوب نہیں۔

ہاں مجھے بعض مقامات کے بارے میں سخت اختلاف ہے کہ جس طرح (ریکارڈ) سامنے آیا ہے، اس طرح ہرگز امرِ واقعہ نہیں ہو سکتا۔ مثلاً ملاقاتیں کی روایت کے بموجب بشیربٹ صاحب کو مولانا کہتے ہیں:

"تو انہیں (یعنی ٹائلوں کو) اٹھوا کر پیچھے رکھواؤ ناں" — "اندر والے غسل خانے پر بھی چھت ڈلوا دو" — "یہ چھت اُتروا دو" — "ٹائلیں لگوا دو" (ص ۹)، "یہ کیا کر رہے ہو" (ص ۶۶)

دراصل یہ انداز خود رفیق ڈوگر صاحب کا ہے۔ مثلاً وہ اسی موقع پر کہتے ہیں: "صفدر باہر نکل گیا" — "بشیربٹ اندر آیا" — "چودھری ظہور الٰہی مولینا سے ملنے آیا" (ص ۱۸)۔ "وہ (حسن ترابی) ہم کا صیغہ استعمال کر رہا تھا" (ص ۶۵)۔ "وہ (بروہی) انحراف کر رہا ہے" (ص ۷۱) وغیرہ۔

اہل زبان اور دلّی یو پی کی تہذیب کے پروردہ خاندانوں کے لوگ (خصوصاً جب کہ وہ صاحبِ علم ادب ہوں) دوسروں کو تُو اور تم سے مخاطب نہیں کرتے اور نہ صیغہ واحد غائب میں ان کا تذکرہ کرتے ہیں کہ "وہ آیا، گیا، اٹھا، بیٹھا"۔ ہم لوگوں پہ تو دارالاسلام کے زمانے میں مولینا کی تربیت کا اثر یہ پڑا کہ ہم سب کے سب ایک دوسرے کو "فلاں صاحب" کہہ کے پکارتے تھے اور اب تک یہ روایت قائم ہے۔

مولینا نے کسی بہت ہی کم عمر اور نجی و ذاتی ملازم کے لیے تو یہ بے تکلفانہ اندازِ خطاب اختیار کیا کہ "یہ کام کرو، نہ کرو، شہر جاؤ، سودا لاؤ" وغیرہ۔ لیکن جماعت کے ساتھیوں اور

دفتری کارکنوں کو کبھی صیغہ جمع اور لفظ "صاحب" کے استعمال کے بغیر خطاب نہیں کیا - "ملاقاتیں" گویا ہمارے رسول کے تجربے کے خلاف پہلی شہادت ہے مگر ہے واحد واحد ہی نہیں اتنی پر تضاد بھی کہ ایک جگہ صیغہ واحد اور جمع دونوں اکٹھے کر دیے گئے ہیں - مولینا کا قول لکھا ہے کہ "پریشان نہ ہوں، لمپ بجھا دو" کیا کھچڑی ہے!

ص ۳۲ پر جناب چراغ دین صاحب کو ترجمان القرآن کا مدیر لکھا گیا ہے، حالانکہ ان کے سر برسوں انتظامی ذمہ داری رہی - ص ۵، پر یہ فقرہ مناسب نہیں کہ "ارکان کی کافی جمعیت دعوت میں مدعو تھی" - ہونا چاہیے "خاصی جمعیت"۔

لیکن ان چند باتوں کو سامنے رکھنے کا مقصد قارئین یہ نہ سمجھیں کہ "ملاقاتیں" کی قدر و قیمت کچھ کم ہے - رفیق ڈوگر نہ صرف مخلص صحافی ہیں، بلکہ جو صحافی ادب کے دائرے میں کام کر رہے ہیں، اُن میں سے ایک ہیں - رفیق ڈوگر نے خاص طور پر مولینا کی بعض اہم ملاقاتوں کا ذکر کر کے کتنے ہی حقائق کو سمجھنا آسان کر دیا ہے - رابطہ عالم اسلامی کے ارکان، مولانا ابوالحسن علی، ڈاکٹر حسن ترابی، ڈاکٹر دوالیبی، ڈاکٹر عمر عودہ، محمد قطب، آیت اللہ خمینی کے فرستادگان، امام حرم اور خطیب حرم کی براہ راست مولینا سے ملاقاتوں کی مختصر رپورٹیں رفیق ڈوگر نے بہم پہنچائی ہیں اور ضمناً بہت سی دوسری شخصیتوں کا مولینا کے حوالے سے ذکر ہوا - کتاب کا تعلق زیادہ تر مولینا کے آخری دور سے ہے -

یہ کتاب تذکرہ مودودیؒ کے سلسلے میں اہم اضافہ ہے -

TOWARDS AN INTEREST-FREE ISLAMIC BANKING SYSTEM

تالیف: ڈاکٹر وقار مسعود خان، ایم اے - پی - ایچ - ڈی -

ناشر: دی اسلامک فاؤنڈیشن یوکے، بہ اشتراک دی انٹرنیشنل ایسوسی ایشن فار اسلامک اکنامکس، اسلام آباد - مطبوعہ WILTSHIRE صفحات: ۱۲۶ - قیمت: نامعلوم

نہایت خوبصورت معیار طباعت اور آرٹ کارڈ کے دیدہ زیب سرورق کے ساتھ ایک ایسی علمی کتاب ہمارے سامنے ہے جس کا تعلق عالم اسلام اور تحریکات اسلامی کی عملی حرکات

سے ہے۔ اسلامی تحریکات ہی کا یہ عطیہ ہے کہ اس دور میں غیر سودی بنک کاری پر پہلے نظری بحثیں شروع ہوئیں اور پھر عملی تجربات کا بھی آغاز ہو گیا اب یہ دونوں کام پہلو بہ پہلو جاری ہیں۔

فاضل مؤلف وقار مسعود خاں صاحب نے مندرجہ بالا موضوع ہی پر پاکستان یونیورسٹی کے تحت پی۔ایچ۔ڈی کا مقالہ مرتب کیا جو کتابی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ میں نے اس کتاب کا آدھے سے زیادہ حصہ جب پڑھ لیا تو پہلی بات تو یہ محسوس کی کہ اس موضوع پر اب تک جو کام ہو چکا ہے اس کو سمیٹ کر ڈاکٹر صاحب نے اپنا خاکۂ فکر مرتب کیا ہے۔ دوسری بات میرے ذہن میں یہ آئی کہ اس کتاب کے مباحث کی اہمیت ایسی ہے کہ رسمی قسم کے جو چند سطری تبصرے ہمارے ہاں شائع ہوتے ہیں اُن سے کام نہ چلے گا۔ کاش کہ اس کتاب سے متعلق ایک مقالہ لکھا جا سکتا۔ مگر کم سے کم صورت یہ ہے کہ چند نکات و اشارات پر کبھی بحث و نظر کے عنوان سے گفتگو کی جائے۔ خدا خاص مدد کرے جبھی یہ چھوٹی سی مہم سر ہو سکتی ہے۔ ورنہ کتابیں اور مقالے اور مباحث مرتب کرنے کے کتنے ہی منصوبے خواب کے سے پریشان بن چکے۔

اس وقت میں اجمالاً یہی کہوں گا کہ باوجودیکہ تفصیلات میں مقاماتِ اختلاف آتے ہیں، اگر بنیادی نقطۂ نظر صحت مندانہ ہے اور کاوش ایسی ہے کہ بلاسود اسلامی بنک کاری کے موضوع پر جسے بھی کوئی کام کرنا ہو اس کے لیے اس چھوٹی سی کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔

مقتدرہ قومی زبان کا کام | یہ ادارہ جناب ڈاکٹر عبدالوحید قریشی کی صدارت میں زور شور سے چل رہا ہے۔ پتہ: مکان نمبر ۱، گلی نمبر ۳۲، سیکٹر الیف ۸/۱ اسلام آباد۔ سرکاری اور تعلیمی اور قومی حلقوں میں اُردو زبان کے نفوذ اور فروغ کے لیے ایک طرف اُردو نامہ کے ذریعے تحقیق و تفہیم کی خدمت انجام پا رہی ہے۔ نیز اصطلاح سازی اور ترجمہ کاری کے میدانوں میں فتوحات حاصل کی جا رہی ہیں۔ دوسری طرف اپنی بڑی بڑی علمی مطبوعات کے علاوہ عام تعلیم یافتہ طبقوں کو مقصد کی طرف متوجہ کرنے کے لیے بہت خوبصورت پیرائے میں مفید

مقالات شائع کیے گئے ہیں۔ فہرست ملاحظہ ہو:

۱۔ قومی زبان کے بارے میں چند انٹرویو (حصہ اول) ۲۔ قطر میں اردو

۳۔ مجلس زبان دفتری پنجاب ۴۔ ہند سے اور اُن کی تاریخ۔

۵۔ پاکستان میں نفاذِ اردو کی داستان ۶۔ مغربی ممالک میں ترجمے کے قومی اور عالمی مراکز ۷۔ قومی زبان اور دیگر پاکستانی زبانیں۔ ۸۔ مقتدرہ قومی زبان اور آئندہ منصوبے۔

یہ سارے مقالات اصحابِ علم و مطالعہ کے لکھے ہوئے ہیں۔ اور پمفلٹوں کی صورت میں سامنے ہیں۔ اس قسم کے اور بھی بہت سے پمفلٹ شائع کیے جا چکے ہیں۔ ان کو پڑھ کر معلومات بھی ملتی ہیں اور فکر میں حرکت بھی آتی ہے۔

ہماری الجھن صرف ایک ہے ــــ یہ کہ جس طرح نفاذِ اسلام کی تحریک کا راستہ لادینیت روکتی ہے۔ اسی طرح نفاذِ اردو کے لیے ہزار کارنامے انجام پاتے رہیں، ابھی انگریزی اس کی گردن پر سوار ہے۔ اور اس کی رگِ جان کو چٹکی میں لیے ہوئے ہے۔ آقاؤں اور عامیوں کے اسکول اور ذریعہ تعلیم الگ الگ ہیں۔ ع

کچھ علاج اس کا بھی اے چارہ گراں ہے کہ نہیں!

منارۂ اسلام از: رانا محمد رفیق ایم اے ایل ایل بی۔ ناشر: پاکستان اکیڈیمی اردو بی سنٹر، تالپور روڈ، کراچی۔ قیمت -/۲۵ روپے

یہ کتاب ہے تو مختصر مگر مضامین کے تنوع کو دیکھیں تو حیران کن ہے۔ رانا صاحب نے غالباً اس جذبے سے لکھی ہے کہ پڑھنے والے کو وہ ایک نظر میں اسلام کی سیر کرا دیں۔ پہلے حضورؐ کی سیرت اور سنت کا بیان ہے، پھر قرآن کے مکمل ضابطۂ حیات ہونے پر اظہارِ خیال، پھر سابق الہامی کتابوں پر ایک نظر، پھر قرآن کا معاشی نظام، پھر اسلامی سیاسی نظام، پھر اخلاقی نظام، عائلی نظام، قانونی نظام، تعزیراتی نظام، پھر قرآنِ پاک کی صفات، قرآنِ مجید کی اہمیت، اعجازِ قرآن اور

قرآن مجید اغیار کی نظر میں، پھر اسلام اور نظریہ پاکستان اور نظریۂ توارث ۔ سوا دو سو صفحات کے کوزے میں مباحث کا اتنا سمندر انڈیل دینا تحیر انگیز ہے ۔

—— (ایک مدت سے جمع ہونے والے پمفلٹوں وغیرہ کا اجمالی تذکرہ) ——

الحمد | جیبی سائز میں مظفر وارثی کے دلکش حمدیہ کلام کا انتخاب ۔ ناشر: فاروق کمپوسٹ فرٹیلائزر کارپوریشن لمیٹڈ ۔ نیو کراچی ۔

ایمان کے تقاضے | از عبدالمجید بلوچ، کوٹلہ لودھیاں، ڈیرہ اسماعیل خاں ۔ ۸ صفحات قیمت درج نہیں ۔

ادارۂ خیر و فلاح کے پمفلٹ | چند درد مند نوجوانوں نے یہ ادارہ افکار اسلامی کی اشاعت کے لیے بنایا ہے اور بلا تعصب ہر دائرہ کے لکھنے والوں کی تعمیری تحریریں پمفلٹوں میں شائع کر رہے ہیں ۔ اس وقت چھ پمفلٹ سامنے ہیں ۔ (۱) ایمان اور اطاعت (۲) فریضۂ بندگی (۳) الصلوٰۃ ۔ (۴) روزہ ۔ (۵) مسلمانوں کا زوال کیوں؟ ۔ (۶) یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے ۔ مفت تقسیم ۔ پتہ: بلاک نمبر ۱۳ ۔ فیڈرل بی ایریا کراچی ۔

اسیلائے دین لائبریری سیالکوٹ کے پمفلٹ | یہ ادارہ بھی تبلیغی اغراض سے پمفلٹ شائع کرتا ہے ۔ موصولہ پمفلٹ: (۱) عظمتِ مصطفیٰ ۔ (۲) یوم آزادی کا تحفہ ۔ (۳) دردمندانہ گذارش ۔ (۴) اسلامِ خالص کیا ہے؟ ۔ (۵) شریعتِ اسلامیہ پاکستان میں ۔ (۶) نماز اور روزہ ۔ مسجد ضلع کچہری سیالکوٹ کا پتہ استعمال کریں ۔ مفت تقسیم ۔

غازی عبدالصمد سراج الدین کے پمفلٹ | پتہ: رحمٰن بلڈنگ، سولجر بازار کراچی ۳ موصولہ پمفلٹ: (۱) ہمارا نصب العین غلبۂ اسلام ۔ (۲) اسلام کا سپاہیانہ نظام ۔ (۳) علامہ المشرقی اور خاکسار تحریک ۔ خاکساری طرزِ فکر اور خاکساری اسلوب بیان ۔

اسلامی مشن کے پمفلٹ | اسلامی مشن سنت نگر لاہور کے موصولہ پمفلٹ حسب ذیل ہیں (۱) بے مثل نبیؐ

(۲) مسیحی عقائد اور محبوب خدا (دونوں کا تعلق ردِّ مسیحیت سے ہے)۔ (۳) ہندوستان کی لادینیت کی حقیقت ۔

ادارہ علم و عمل | دو پمفلٹ سامنے ہیں: (۱) صدقہ کی فضیلت۔ (۲) تقویٰ۔ قیمت درج نہیں ۔ پتہ: شاہ لطیف گیٹ۔ ٹنڈو آدم ۔

شیعہ جارحیت ختم کریں | تحریر: محمد انور قریشی ۔ ناشر: انجمن خدام اسلام پاکستان ٹاؤن شپ لاہور (دس سال میں بیس لاکھ کتابچے مفت تقسیم کیے)۔

نفاذِ شریعت کا صحیح طریق کار | مجلس عاملہ جماعت اسلامی منعقدہ (اگست ۸۵) کی قرارداد بہ سلسلہ نفاذ شریعت ۔ ناشر: مکتبہ منصورہ۔ ملتان روڈ۔ لاہور ۱۸

چند اہم گذارشات | از محمد شریف قاضی، شعبۂ دعوتِ اسلامی پاکستان، مقام وڈاک خانہ بھنڈگراں، ضلع گجرات ۔ خلاصہ یہ کہ قرآن اور فہم قرآن کو عام کرنے کی تجاویز کے ساتھ بھنڈگراں میں تعلیم القرآن کی کلاسوں کے اجراء اور مستقل قرآنی مرکز کے قیام میں دعوت تعاون ۔

سندھ نیشنل اکیڈمی حیدر آباد | از محمد موسیٰ بھٹو ۔ سندھ میں لادینی نظریات، غیر ملکی مداخلت اور سندھی نیشنلزم کی تحریک کے متعلق ارباب علم و دانش کی آراء اور تعمیری کام کرنے کی شدید ضرورت کا اظہار ۔

تعارفِ قادیانیت | از جناب محمد یوسف لدھیانوی ۔ ناشر: مجلس تحفظ ختم نبوت، نسیم منزل، ریلوے روڈ ننکانہ صاحب، ضلع شیخوپورہ ۔ ڈیڑھ روپے کے پوسٹل ٹکٹ بھجوا کر طلب کریں ۔ قادیانیت کے متعلق متعدد اہم سوالات پر بحث ۔

اظہارِ حقیقت | از حکیم ہاشمی ۔ پوسٹ بکس نمبر ۲۵۰، حیدر آباد، سندھ ۔ بات تو کچھ بدعت وغیرہ کے موضوع پر ہے، مگر انداز مناظرانہ ہے ۔

قناعت بڑی دولت ہے... | پمفلٹ شائع کردہ مجلس دعوتِ اسلامی، حلقہ خواتین، فیصل آباد۔ اس کا مضمون ترجمان القرآن سے ماخوذ ہے ۔

عورت اور پردہ | از محمد نواز صاحب، رحیم یار خان ۔ ناشر: حلقہ خواتین پاکستان ۔ سیالکوٹ